احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ سُوَيْدِ الْاَزْدِيِّ قَالَ وَفَدْتُ سَابِعَ سَبْعَةٍ مِّنْ قَوْمِيْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا دَخَلْنَا عَلَيْهِ وَكَلَّمْنَاهُ اَعْجَبَهُ مَا رَاٰى مِنْ سَمْتِنَا وَزِيِّنَا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ قُلْنَا مُؤْمِنُوْنَ فَتَبَسَّمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَقَالَ اِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ قَوْلِكُمْ وَاِيْمَانِكُمْ قُلْنَا خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً خَمْسٌ مِّنْهَا اَمَرَتْنَا رُسُلُكَ اَنْ نُّؤْمِنَ بِهَا وَخَمْسٌ اَمَرْتَنَا اَنْ نَّعْمَلَ بِهَا وَخَمْسٌ تَخَلَّقْنَا بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَنَحْنُ عَلَيْهَا اِلَّا اَنْ تَكْرَهَ مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْخَمْسُ الَّتِيْ اَمَرَتْكُمْ بِهَا رُسُلِيْ قُلْنَا اَمَرَتْنَا اَنْ نُّؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ وَمَا الْخَمْسُ الَّتِيْ اَمَرْتُكُمْ اَنْ تَعْمَلُوْا بِهَا قُلْنَا اَمَرْتَنَا اَنْ نَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَنُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَنَصُوْمَ رَمَضَانَ وَنَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْنَا اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ وَمَا الْخَمْسُ الَّتِيْ تَخَلَّقْتُمْ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ قُلْنَا الشُّكْرُ عِنْدَ الرَّخَاءِ وَالصَّبْرُ عِنْدَ الْبَلَاءِ وَالرِّضَا بِمُرِّ الْقَضَاءِ وَالصِّدْقُ فِيْ مَوَاطِنِ اللِّقَاءِ وَتَرْكُ الشَّمَاتَةِ بِالْاَعْدَاءِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُكَمَاءُ عُلَمَاءُ كَادُوْا مِنْ فِقْهِهِمْ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْبِيَاءَ ثُمَّ قَالَ وَاَنَا اَزِيْدُكُمْ خَمْسًا فَتَتِمَّ لَكُمْ عِشْرُوْنَ خَصْلَةً اِنْ كُنْتُمْ كَمَا تَقُوْلُوْنَ فَلَا تَجْمَعُوْا مَا لَا تَاْكُلُوْنَ وَلَا تَبْنُوْا مَا لَا تَسْكُنُوْنَ وَلَا تَنَافَسُوْا فِيْ شَيْءٍ اَنْتُمْ عَنْهُ غَدًا زَائِلُوْنَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَعَلَيْهِ تُعْرَضُوْنَ وَارْغَبُوْا فِيْمَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ تَقْدَمُوْنَ وَفِيْهِ تُخَلَّدُوْنَ فَانْصَرَفُوْا وَقَدْ حَفِظُوْا مِنْ وَّصِيَّتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَعَمِلُوْا بِهَا (رواہ ابو نعیم فی کتاب معرفۃ الصحابۃ کما فی شرح المواھب)

ترجمہ:۔ سوید ازدی روایت فرماتے ہیں کہ ہماری قوم کے سات آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جن میں ساتواں شخص میں تھا جب ہم آپ کی خدمت میں آئے اور آپ سے گفتگو کی تو جو طرز و انداز آپ نے ہمارا دیکھا آپ کو بہت پسند آیا آپ نے فرمایا تم کون لوگ ہو ہم نے عرض کیا مسلمان، آپ مسکرائے اور فرمایا ہر بات کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے بتاؤ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے ہم نے عرض کیا پندرہ چیزیں ہیں جن میں پانچ تو ایسی ہیں جن کے متعلق آپ کے قاصدوں نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان پر یقین رکھیں اور پانچ ایسی ہیں جن کے متعلق کہا ہے کہ ہم ان پر عمل کیا کریں اور پانچ وہ ہیں جن کی عادت ہمیں زمانہ جاہلیت سے پڑی ہوئی ہے اور اب تک ہم ان پر قائم ہیں ہاں اگر آپ انھیں پسند نہ کریں تو البتہ ہم انھیں چھوڑ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بتاؤ وہ پانچ باتیں کیا ہیں جن پر میرے قاصدوں نے تم کو یقین رکھنے کے لئے کہا ہے۔ ہم نے عرض کیا یہ ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اس کی کتابیں، اس کے سب رسولوں کو مانیں اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا یقین کریں۔ فرمایا وہ پانچ باتیں کیا ہیں جن پر عمل کرنے کے لئے کہا ہے، ہم نے عرض کیا یہ کہ ہم اقرار کریں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں نماز باضابطہ پڑھیں، زکوٰۃ دیں، رمضان کے روزے رکھیں اور اگر زاد راہ موجود ہو تو بیت اللہ کا حج بھی کریں۔ فرمایا اچھا اب وہ باتیں بتاؤ جن کی کفر کے زمانہ سے تمہیں عادت ہے۔ ہم نے عرض کیا، فراخی میں شکر کرنا، مصیبت میں صبر کرنا، مقدرات جب سامنے آجائیں تو ان پر خوش رہنا، جنگ میں ثابت قدمی اور دشمنوں کی مصیبت پر ہنسی نہ اڑانا۔ آپ نے فرمایا تم سب کے سب بڑے حکیم اور عالم نکلے۔ قریب تھا کہ اپنے اس علم و فہم کی بدولت نبی بن جاتے (اگر نبوت جاری ہوتی) اچھا تو اب پانچ باتیں میں تمہیں بتاتا ہوں تاکہ کل مجموعہ بیس باتیں ہوجائیں۔ اگر بات اسی طرح سے ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو حاجت سے زیادہ کھانا جمع نہ کرو اور ضرورت سے زیادہ مکانات نہ بناؤ اور جس چیز کو چھوڑ کر کل تمہیں چلے جانا ہے اس میں ایک دوسرے کی حرص نہ کرو، اور ایک اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف پھر لوٹ کر تمہیں چلا جانا ہے اور جس کے سامنے حساب دینے کے لئے پیش ہونا ہے اور اس گھر کی فکر رکھنا جس میں تمہیں آئندہ جانا اور ہمیشہ رہنا ہے۔ آپ کی یہ وصیت سن کر وہ اپنے وطن کو واپس ہو گئے اور ان پر عمل کیا۔

تشریح:۔ چونکہ یہ لوگ عام اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور نظر آرہے تھے اس لئے آپ نے ان کو اسلام کے ایک بلند مقام کی تعلیم دی یعنی توکل کی۔ جن پانچ چیزوں کا آپ نے ذکر فرمایا ہے ان کا زیادہ تعلق اسی صفت توکل کے ساتھ ہے۔ توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ اسباب پر ترک اعتماد کا نام ہے ترک اسباب آسان ہے اور اسباب کرکے ان پر ترک اعتماد مشکل ہے۔ بقدر ضرورت غذا کی تلاش، رہائش کا انتظام توکل کے منافی نہیں البتہ حاجت سے زیادہ غذا، ضرورت سے زیادہ تعمیر، یہ توکل کے منافی ہے اسی لئے یہاں آپ نے بقدر حاجت غذا یا مکان کی ممانعت نہیں کی۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دین اسلام چونکہ ایک عالمگیر مذہب ہے اس لئے اس میں ہر ذوق اور ہر مزاج کے مناسب تعلیمات رکھی گئی ہیں اگر کوئی ورع و تقویٰ کی راہوں سے گذرتے ہوئے گھبراتا ہے تو اس کے لئے رخصتوں کے صاف اور کھلے ہوئے راستے موجود ہیں اور اگر کوئی بلند فطرت عزیمت کی بجائے ان دشوار گذار وادیوں میں گذرنے کی تلاش رکھتا ہے جن سے گذرنے کی آرزو ہر عاشق مزاج کو ہوا کرتی ہے تو اس کی قربان گاہوں کی بھی یہاں کمی نہیں ہے۔ ان دونوں کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے جن میں نہ وہ سہولتیں ہیں نہ یہ دشواریاں یہاں اپنی حاجت سے زیادہ جمع کرنے اور ضرورت سے زیادہ مکان تعمیر کرنے کی اجازت بھی مل جاتی ہے مگر جن کے لئے کچھ حقوق بھی رکھے گئے ہیں جن کے ادا کرنے میں مواخذہ کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ اب یہ آپ کے پسند کی بات ہے چاہے تو وہ زندگی گذاریئے جو بے کھٹکے ہو اور چاہے وہ بسر کیجیے جس میں خطرات ہیں۔

آیت کریمہ اور مجالسِ ذکر

حسب سابق رمضان المبارک میں امسال بھی مہینے کے شروع میں آیت کریمہ اور جمعرات کو مجلس ذکر منعقد نہیں ہوا کرے گی۔ احباب مطلع رہیں۔

(ادارہ)

۲۸ ستمبر ۱۹۷۳ء
۲۹ شعبان المعظم ۱۳۹۳ھ

جلد ۱۹ — شمارہ ۱۸

ماہِ رمضان المبارک

اور

سیلاب زدگان کی امداد کا مسئلہ

امسال ماہِ مبارک رمضان کی ایسے وقت میں آمد ہو رہی ہے۔ جبکہ پورا ملک سیلاب کی تباہ کاریوں سے بری طرح متاثر ہے اور خصوصًا پنجاب کے لاکھوں انسان نہایت کسمپرسی کے عالم میں اپنے تباہ شدہ مکانوں کے ملبے پر بیٹھے ہیں۔ وہ صرف آسمان کی نیلی چھت کے سایے میں ہیں۔ اُوپر سے سردی کا موسم بھی طلوع ہو رہا ہے۔ ماہ رمضان المبارک ہمارے لیے درس و نصیحت کا پیغام لے کر آتا ہے کہ جس طرح تم صبح طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق کھانے پینے کی چیزوں سے دستکش ہوتے ہو۔ پورا دن بھوک اور پیاس کی حالت میں گذارتے ہو اور اس طرح تم میں نادار اور بے وسیلہ انسانوں کی مشکلات اور ان کی ضروریات، کا احساس اجاگر ہوتا ہے کہ بھوکے، پیاسے اور نادار لوگ کس طرح زندگی گذارتے ہیں۔ اسی طرح امسال ماہ مقدس رمضان — صرف چند انسانوں کی مشکلات اور ان کی ضروریات کا احساس دلانے کے لیے نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کی ضروریات اور ان کے مصائب کا احساس دلانے کیلئے خداوند عالم کی دکھی مخلوق کی فریادوں کے جلو میں طلوع ہو رہا ہے۔

ماہ رمضان المبارک خداوند قدوس کی رحمتوں، بخششوں اور قبولیتِ دعا کا مہینہ ہے اس ماہ میں پوری قوم کو چاہیے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی گناہوں سے توبہ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس مملکت کو سیلاب، مہنگائی، قحط اور وبائی امراض کے عذاب سے محفوظ رکھے۔

اس ماہ میں صاحبِ استطاعت اور اہلِ ثروت لوگوں کو چاہیے کہ وہ بے وسیلہ اور سیلاب کی تباہ کاریوں سے متاثر انسانوں کی ضروریات پوری کرنے اور ان کی تکالیف اور مشکلات دور کرنے میں بالکل روزے کی طرح مجاہدے اور ریاضت سے کام لیں اور سیلاب زدگان کے مکانات تعمیر کرانے اور خوراک کے علاوہ موسم سرما کے مطابق بستر اور پوشاک تیار کر کے مصیبت زدہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں پوری مستعدی کا مظاہرہ کریں۔ کیونکہ مخلوقِ خدا کی خدمت اور رضاجوئی یقینًا خالقِ کائنات کی خوشنودی اور رضاجوئی کا باعث ہوگی۔

• سعودی عرب میں مقیم پاکستانیوں کی خدمات

اے پی پی کی خبر کے مطابق سعودی عرب کے مقیم پاکستانیوں نے وزیر اعظم ریلیف فنڈ میں ایک لاکھ۔ اکیس ہزار ۳ سو، ۳۸ ریال کا عطیہ دیا ہے۔ سعودی عرب میں مقیم پاکستانیوں نے اپنے وطن کی اور یہاں کے عوام کی ہمیشہ خدمت کی ہے۔ گذشتہ پاک بھارت جنگوں کے موقع پر صرف "الخبر" میں مقیم پاکستانیوں نے جناب ملک عباس صاحب کی زیر قیادت ۸ لاکھ ریال جمع کر کے پاکستان بھجوائے تھے۔ آج بھی سعودی عرب کے مختلف مقامات میں موجود پاکستانیوں نے اپنے وطن کے سیلاب زدگان کی امداد کے لیے وزیر اعظم کے ریلیف فنڈ میں تقریبًا ڈیڑھ لاکھ ریال کی خطیر رقم جمع کرائی ہے۔

سعودی عرب میں مقیم پاکستانی حمیتِ اسلامی اور قومی جذبہ سے سرشار ہیں۔ ان کی عظیم ملکی و ملّی خدمات لائق صد تحسین ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے جان و مال میں خیر و برکت عطا کرے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ قومی و ملّی خدمات کا فریضہ بطریق احسن انجام دے سکیں۔

• افسوسناک

یہ خبر انتہائی افسوسناک ہے کہ شرقپور روڈ پر موضع چھبیل کے قریب چند غنڈوں نے ایک رفاہی ادارہ کے کارکنوں سے وہ کھانا چھین لیا جو وہ دور دراز دیہات کے سیلاب زدگان تک پہنچانا چاہتے تھے۔ ان مسلح بدمعاشوں نے ان سماجی کارکنوں کو بری طرح زدوکوب بھی کیا۔ یہ صورت حال اس امر کی غماز ہے کہ ہمارے معاشرے میں جہاں کچھ لوگ اس قدر دردمند اور خداترس ہیں، کہ وہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کے لیے اپنا روپیہ بھی صرف کرتے ہیں اور وقت بھی۔ وہاں کچھ ایسے سنگدل اور بے حس لوگ بھی موجود ہیں جو دوسروں کے حق پر زبردستی چھاپہ مارنا چاہتے ہیں۔ اور جو لوگ ان کی بات ماننے کو تیار نہیں ہوتے ان پر تشدد کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ موخر الذکر گروہ کی ذہنیت مریضانہ ہے اور اربابِ اختیار کو اس کی اصلاح کے لیے ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں جو ہر لحاظ سے مؤثر ہوں۔ (امروز ۱۵ ستمبر ۱۹۷۳ء)

مجلس احرار اسلام کی شاندار خدمات

حالیہ تباہ کن سیلاب سے متاثر ہونے والے بے بس انسانوں کی امداد اور ان کی بھرپور خدمت کے لیے ملک کی فعال اور جاں نثار دینی جماعت مجلس احرار اسلام نے جو مثالی خدمات انجام دی ہیں اور مزید یہ سلسلہ جاری

ساری ہے لائق صد تحسین ہیں۔

مجلس احرار اسلام کی تاریخ اس قسم کی شاندار خدمات سے بھرپور ہے۔ بہار، نواکھالی اور بنگال میں جب قحط کا عذاب آیا تھا تو پورے ہندوستان میں سے صرف مجلس احرار اسلام کے سرفروش اور جذبۂ ایثار و قربانی سے سرشار رضاکاروں نے مثالی خدمات انجام دے کر دکھی اور بے وسیلہ انسانوں کی دعائیں لی تھیں — کوئٹہ کا زلزلہ آیا تو احرار رضاکاروں نے مصیبت زدہ انسانوں کا ہاتھ بٹایا۔ ملکی تقسیم کے وقت جب بے گناہ انسانوں کے سر گاجر مولی کی طرح کاٹے جا رہے تھے اور آبادہ علاقوں کو نذر آتش کیا جا رہا تھا تو مجلس احرار اسلام کے رضاکاروں نے اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر بھی ان بے بس انسانوں کی ہر ممکن امداد کی۔ ۱۹۵۰ء میں پنجاب کے دریاؤں میں سیلاب کا طوفان آیا اور شاہدرہ کے ارد گرد کے دیہات پانی کی نذر ہو گئے تو احرار رضاکاروں نے شب و روز ایک کر کے یتیموں، بیواؤں، ضعیفوں اور بے وسیلہ انسانوں کے مکانات تعمیر کر کے دیے اور ان کے لیے ضروریاتِ زندگی کی چیزیں فراہم کیں۔

آج پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا سیلاب آیا تو بھی مجلس احرار اسلام کے سرفروش اور مجاہد رضاکار سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں۔ احرار کی خدمات اس لیے بھی لائق تحسین ہیں کہ اس دفعہ بڑی بڑی دینی جماعتوں کی باہمی خلفشار اور سیاسی رسہ کشی کے باعث مرزائیوں کو پہلی دفعہ خدمت خلق کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں آنے کا موقع ملا۔ چنانچہ لاہور راوی کے پل پر دیگر سیاسی جماعتوں کے دوش بدوش "جماعت احمدیہ" نے بھی اپنا خیمہ نصب کر لیا اور لائل پور میں ایک بڑے ٹرک پہ "خدام الاحمدیہ" کا جھنڈا نصب کر کے لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مرزائی جماعت بھی عوامی خدمت انجام دینے لگی ہے۔

خدا بھلا کرے صدر مجلس احرار اسلام پاکستان مولانا عبیداللہ احرار کا کہ انہوں نے مجلس احرار کے سرفروش و جاں نثار رضاکاروں کے تعاون کے ساتھ اپنے ذاتی ٹرکوں سمیت پانچ ٹرک سیلاب زدگان کو پانی سے نکالنے ان کا سامان خشک مقامات پر منتقل کرنے اور خوراک وغیرہ ضروریاتِ زندگی کی تمام اشیاء فراہم کرنے میں شب و روز ایک کر دیے۔ لائل پور کے اہل ثروت اور مخیر حضرات نے جان نثارانِ محمد عربی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دل کھول کر مدد کی اور بھرپور تعاون کیا۔

دینی جماعتوں میں سے مجلس احرار اسلام کی یہ خدمات لائق صد تحسین و آفرین ہیں۔ احرار رضاکاروں نے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے مشن کو زندہ و درخشندہ رکھنے میں واقعی مثالی کارنامہ انجام دیا ہے۔

پاکستان اور سعودی عرب کی اخوتِ اسلامی

دنیائے اسلام کے مرکز سعودی عرب کے وزیر حج و اوقاف السید حسن الکتبی نے پاکستان کا دورہ کرتے ہوئے اسلامی جمہوریہ پاکستان اور یہاں کے عوام کے لیے جس اخوت، محبت بھرے جذبات اور تعلق خاطر کا اظہار کیا ہے وہ ہمارے باہمی روحانی تعلقات کو مستحکم کرنے کا بہت بڑا ذریعہ اور ہمارے قلبی سکون و راحت کا باعث ہے۔

مملکت عربیہ سعودیہ کے وزیر حج و اوقاف نے لاہور میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"پاکستان اور اسلام دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اخوت اسلامی کے جذبے نے ہی سعودی عرب اور پاکستان کو یک جان اور دو قالب بنا دیا ہے۔ سعودی عوام کی امنگیں اور ان کی خواہشات پاکستان کے مسلم بھائیوں کی تمناؤں کے مطابق ہیں۔ سعودی عرب کے عوام پاکستان کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک اور وہاں کے عوام کے دلوں کی دھڑکنیں ہمہ وقت آپ کے ساتھ ہیں"

وزیر حج نے فرمایا۔ کہ اسلامی ملکوں کے رہنما دین اسلام کے دائرے میں رہ کر اسلامی تعلیمات کے مطابق دنیا میں امن و سلامتی کی راہ ہموار کر رہے ہیں اور ملت اسلامیہ کا یہ قافلہ حصول مقصد کے لیے پوری مستعدی کے ساتھ رواں دواں اور سرگرم عمل ہے"۔

سعودی عرب کو پوری دنیائے اسلام کا مرکز و محور ہونے کا شرف و اعزاز حاصل ہے اور مملکت السعودیہ جلالۃ الملک فیصل کی مدبرانہ اور ہر دلعزیز شخصی عظمت کی زیر قیادت مثالی ترقی کے منازل نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ طے کر رہی ہے۔

سعودی عرب نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ہر مشکل وقت میں بھرپور مدد کی ہے اور سعودی عرب کے وزیر حج و اوقاف السید حسن الکتبی کے یہ ارشادات مبنی بر صداقت ہیں کہ سعودی عرب کے عوام اور وہاں کی حکومت پاکستان کے مسلم بھائیوں کے ساتھ بے پناہ محبت اور اُنس رکھتی ہے۔ گزشتہ پاک بھارت دونوں جنگوں کے مرحلہ میں اور آج جب پاکستان میں سیلاب کی تباہ کاریوں نے ہر طرف قیامت برپا کر دی ہے سعودی عرب کی حکومت اور وہاں کے عوام نے لاکھوں ڈیال کی صورت میں بھرپور امداد کی ہے۔ پاکستان کی حکومت اور یہاں کے عوام ان کے بے حد شکر گزار ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور مملکۃ العربیہ السعودیہ کے اسلامی تعلقات کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار اور مستحکم بنانے کے لیے دونوں ملکوں کے وزراء حج و اوقاف السید حسن الکتبی اور مولانا کوثر نیازی نے جو خدمات انجام دی ہیں لائق تحسین ہیں۔ مزید توقع ہے کہ دونوں وزراء کرام اخوت اسلامی کے ان مراسم اور تعلقات کو مستحکم اور دیرپا بنانے میں اپنی مخلصانہ مساعی جمیلہ کو پوری سرگرمی کے ساتھ جاری رکھیں گے۔

ارشاداتِ امام ربانیؒ

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کے ساتھ محبت کرنے کا امر کیا ہے۔ نیز اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے"۔ حضورؐ سے پوچھا گیا "ان کے نام کیا ہیں؟" فرمایا۔ "ایک علیؓ (یہ تین بار فرمایا) دوسرے ابوذرؓ، مقداد اور سلمان فارسیؓ۔ نیز فرمایا۔ اَلنَّظْرُ اِلٰی عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ (علی کی طرف دیکھنا عبادت ہے)

شیخین نے براء سے نکالا ہے کہ امام حسنؓ حضورؐ کے کندھے پر بیٹھے اور آپؐ فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ۔ اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ۔

حضرات حسنؓ اور حسینؓ کے متعلق فرمایا۔ "یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ یا اللہ! میں ان کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ"۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی نسبت ارشاد ہے۔ "فاطمہؓ میرا جگر گوشہ ہے۔ جس نے ان سے بغض رکھا۔ اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ جو چیز اس کو متردد کرے وہ مجھے بھی متردد کرتی ہے اور جس چیز سے ایذا پہنچتی ہے اس سے مجھے بھی پہنچتی ہے"۔ نیز فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ اس شخص پر غضب فرماتا ہے جس نے مجھے میری اولاد کے حق میں ایذا دی"۔ (مکتوبات حصہ دوم)

رمضان المبارک ——— سراپا رحمت

بخشش، مغفرت اور انعاماتِ الٰہی کا مہینہ

خطبہ جمعہ
۱۴ ستمبر ۱۹۷۳ء

مرتب: عبدالرشید انصاری

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور

الحمد للہ الذی وکفٰی!
وسلام علی عبادہ الذین
اصطفٰی، امابعد، فاعوذ
باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم
الصیام کما کتب علی الذین من
قبلکم لعلکم تتقون ○

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے کہ فرض کئے گئے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری مقدس کتاب قرآن مجید — جو تمام صحف وکتب سماوی کی متمم ہیں ارشاد فرمایا ہے کہ اہل ایمان کے لئے روزے رکھنا لازمی قرار دیا گیا ہے قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، تاریخ زمانہ نہیں۔ اس لئے اس میں امم وملل سابقہ کے سلسلہ وار حالات وواقعات بیان کرنے کے بجائے دلیل ونصیحت کے طور پر ماقبل واقعات کا تذکرہ اجمالاً اور اختصاراً آجاتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی روزہ کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ارشاد ہوا،

کما کتب علی الذین
من قبلکم۔

(جیسا کہ ان لوگوں پر (روزے) فرض کئے گئے تھے جو تم سے پہلے ہو گزرے

روزے کا تصور دنیا کے ہر مذہب میں موجود ہے بلکہ روزے کے بغیر کسی مذہب کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

انسان کے اندر ملکیت اور بہیمیت دونوں صفتیں موجود ہیں۔ روزے کا مقصد انسان کی ملکوتی صفات کو ترقی دے کر صفات بہیمیہ پر ان کو غالب کرنا ہے۔ کیونکہ اگر بہیمی صفات انسان کی ملکوتی صفات پر غالب آجائیں اور ان کی بالادستی قائم ہو جائے تو انسانیت مرجائے گی۔ انسان دنیا میں چلتے پھرتے نظر ضرور آئیں گے لیکن یہ آدمیت کے لباس میں جانور ہی نہیں بلکہ جانوروں سے بھی نچلی مخلوق ہوگی۔ روزہ انسان کے سفلی اور رذیل جذبات کے خلاف ایک ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور روزہ دار کو شرف آدمیت اور انسانی اقدار کا حقیقی مظہر بنا دیتا ہے۔

اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنا اور نفس پر کنٹرول حاصل کرنا ایک ترقی پسند بامقصد زندگی گذارنے والے انقلابی انسان کے لئے لازمی ہے اور روزہ مسلمانوں کے پاس احتساب نفس کے لئے بہت بڑا ہتھیار ہے۔ جس سے قوت عمل جذبہ جدوجہد اور اتباع احکام شرعیہ کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ نیز روزے سے مسلمان کو ایمان کا حقیقی شرف "تقویٰ" نصیب ہوتا ہے۔

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ آرہا ہے اس مہینے کی دوسرے مہینوں پر فضیلت وبرتری کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا دخل رمضان فتحت
ابواب الجنۃ وغلقت
ابواب جھنم وسلسلت
الشیاطین وفی روایۃ فتحت
ابواب الرحمۃ (متفق علیہ)

ترجمہ: جب رمضان المبارک شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

رمضان المبارک سراپا رحمت ہے۔ کیونکہ یہ مہینہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان انعامات اور رحمتیں اپنے دامن میں لیتے ہوئے آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت "قرآن مجید" اسی ماہ مقدس میں نازل ہوئی جسے اللہ تعالیٰ نے کتاب حکمت وہدایت اور رحمت قرار دیا۔ چنانچہ سورہ لقمان میں ہے

الم۔ تلک اٰیٰت الکتاب
الحکیم۔ ھدًی ورحمۃً
للمحسنین (لقمان)

یہ کتاب حکیم کی آیتیں ہیں جو ہدایت اور رحمت ہے محسنین کے لئے۔

دوسری نعمت کتاب اللہ کی سالگرہ ہے جو رمضان المبارک میں مومنین مہینہ بھر نماز تراویح کی ادائیگی۔ عبادت وریاضت کرکے تلاوت کلام اللہ سے مناتے ہیں۔

تیسری نعمت روزہ ہے جو اس پورے مہینہ میں ہر روز رکھنے کا حکم ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں روزے کی جزا اور اس کا بدلہ میں خود ہوں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من صام رمضان ایمانًا
واحتسابًا غفرلہ ماتقدم
من ذنبہ۔

جس نے ایمان اور حصول
ثواب کی غرض سے ماہ رمضان
کے روزے رکھے اس کے
تمام گذشتہ گناہ بخش دیئے گئے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کے سب اعمال حسنہ کا ثواب دس گنا سے لیکر سات گنا تک ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ (اس کے ثواب کی کوئی حد مقرر نہیں کیونکہ روزہ) میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی (خاص) جزا دوں گا۔

چوتھی رحمت "لیلۃ القدر" بھی اسی مہینہ میں آتی ہے۔ اس رات کی بزرگی اور تقدس کا یہ عالم ہے کہ اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ یعنی اس ایک لیلۃ القدر کی عبادت کا ثواب تیس ہزار راتوں کی عبادت سے زیادہ ہے

پانچویں رحمت اس مہینہ کے اختتام پر آتی ہے۔ وہ ہے "عید الفطر" اگرچہ ماہ شوال کے آغاز میں آتی ہے لیکن درحقیقت یہ بھی رمضان المبارک کا ہی انعام ہے مسلمان جنہوں نے پورا رمضان روزے رکھے، تراویح پڑھیں۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے ہیں۔ اس روز اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے عیدگاہوں میں آتے ہیں اور یہ مشاہدہ حق رمضان المبارک کا ثمرہ ہے۔ اس روز روزہ رکھنا حرام قرار دیا گیا۔

بہرحال رمضان المبارک کا یہ رحمتوں والا مہینہ آرہا ہے۔ ہمیں اس کے تقاضوں کو پورا کرتے محبت وشوق عمل سے اس کا استقبال کرنا چاہیئے۔ برائیوں اور گناہوں سے کامل اجتناب کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو بھی ہدایت عطا فرمائے اور انہیں ظلم وستم سے باز رہنے اور عدل وانصاف پر کاربند ہونے کی توفیق بخشے۔ یہ جگہ دعا کی جگہ ہے ہم مساجد کو سیاست الکھاڑہ نہیں بنانا چاہیئے۔ لیکن اسی منبر پر بیٹھ کر سچی بات نہ کہنا مظلوم کی حمایت نہ کرنا اور ظالم کو نہ ٹوکنا بہت بڑی ناانصافی ہے ضمیر اور دین سے غداری اس وقت جو لوگ حکومت کی ناانصافیوں پر خاموش ہیں اور حکمران پارٹی کی ظلم پر مبنی غیر جمہوری کارروائیوں پر چپ سادھے ہوئے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

الساکت عن الحق شیطانٌ
اخرسٌ (اوکما قال علیہ السلام)

سچی بات نہ کہنے والا گونگا شیطان ہے۔
یقین کیجیے کہ اس حدیث سے کتمان حق کرنے والوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید غصہ اور ناراضگی صاف ظاہر ہے اس لئے ایک ایسا شخص جس سے رحمۃ اللعالمین ناراض ہوں، اس کی نمازیں۔ اس کی ریاضتیں۔ اس کا علم اور اس کا زہد وتقویٰ اسے جہنم کی آگ اور خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ ظلم وناانصافی کے خلاف آواز بلند نہ کرنا بجائے خود بہت بڑا ظلم ہے۔ ملک کے غریب اور مظلوم عوام کو مصائب اور دکھوں سے نجات دلانے اور ان کے

انبیاء والمرسلین علیہم السلام

مضطرؔ گجراتی

یہ قدسیوں کی جماعت، یہ حزبِ نورانی
مقربینِ الٰہی، نفوسِ رحمانی

یہ دل، کہ جن پہ برستے ہیں عرش سے الہام
یہ لب، کہ جن پہ اترتی ہے وحیٔ ربانی

یہ علم، جس پہ تصدق فراستِ کونین
یہ فضل، جس پہ نچھاور شکوہِ سلطانی

یہ پاؤں، دیتی ہے بوسے جنہیں فلک کی جبیں
یہ رُخ، کہ جن سے منور حیاتِ انسانی

کمالِ عظمتِ آدمؑ، نشانِ حجتِ حق
میانِ ارض و سما جلوہ ہائے فرقانی

ملائکہ کے مکرم، بہشتیوں کے امام
رئیسِ کون و مکاں، فخرِ نوعِ انسانی

یہ اک خدا کے پرستار، صادق المصدوق
یہ ایک دین کے داعی، بحکمِ ربانی

یہ کائناتِ خرد کے مشارق الانوار
یہ رہگذارِ ابد کے چراغِ لافانی

جلو میں جن کے مؤدب سمندروں کا جلال
خموش جن کے حضور آندھیوں کی طغیانی

یہ مصلحینِ مقدس، یہ قائدینِ جلیل
قدم سے جن کے ہوئی نعمتوں کی ارزانی

دکھا کے منزلِ فوز و فلاح دنیا کو
جنہوں نے ختم کی فکر و نظر کی حیرانی

فروغ پاتی ہے جن سے بہارِ لالہ و گل
مہ و نجوم کو ملتی ہے جن سے تابانی

براہِ راست یہ پروردگار کے مامور
بطورِ خاص، نذیر و بشیرِ حقانی

صدورِ سہو و خطا سے منزہ و معصوم
بوصفِ علم و خبر بے نظیر و لاثانی

خدا سے رشتۂ مخلوق جوڑنے والے
دلوں کو بخشنے والے سرورِ عرفانی

پرے شعور سے جن کی نگاہ کی پرواز
ورائے فکر ہے جن کا مقامِ روحانی

ثبات جن کی عزیمت ہیں کوہ سے بڑھ کر
شکستِ کفر ہے جن کا جلالِ ایمانی

یہی وہ سلسلۂ نور و حسن ہے مضطرؔ
کہ جس سے بعد ہے قلب و نظر کی ویرانی

تاریخ فرضیتِ صوم

مولانا ابوالکلام آزاد

عبادات اسلامیہ کی ترتیب فرضیت اگر اسرار و مصالح پر مبنی نہ ہوتی تو سب سے پہلے عبادات میں رمضان کے روزے فرض ہوتے۔

تقدیم زمانی کے لحاظ سے تمام فرائض میں سب سے پہلے نماز فرض ہوئی۔ ابتدا میں وہ اگرچہ نہایت سادہ مختصر عبادت تھی۔ تاہم تکبیر و تہلیل اور قرأت سے اس کا پیکر روحانی خالی نہ تھا۔ جب کفرزارِ مکہ کی فضا میں قرآن مجید کی نامانوس مگر مقدس آیتیں گونجتی تھیں تو کفار اس مختصر عبادت میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰے عنہ کو کفار نے نماز میں قرأت سے صرف اس بنا پر روک دیا تھا کہ اس کا اثر ان کے بال بچوں پر شدت کے ساتھ پڑتا تھا اور انہیں خوف تھا کہ کہیں وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔

لیکن روزہ ایک غیر محسوس فریضۂ الٰہی ہے رکوع، سجود، قیام، قعود و تکبیر و تہلیل سے اس کی ترکیب نہیں ہے جس کی صدائیں دوسروں تک پہنچتیں اور انہیں خبردار کر دیتیں۔ وہ ایک عدمی چیز ہے۔ منہیات کے سلب و نفی سے اس کی ترکیب و تقویم ہوتی ہے۔ یعنی اس کا وجود محض بعض خواہشوں کے روک دینے اور بعض ضروریات جسمی کے حبس و ضبط سے متشکل ہوتا ہے۔ پس ایسی غیر محسوس چیز میں کسی کو رکاوٹ پیدا کرنے کا اور مانع آنے کا کیا موقع مل سکتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ جب اسلام ہر طرف سے تیروں اور برچھیوں کے حصار میں گھرا ہوا تھا۔ تو اس حالت میں صرف روزہ ہی ایک ایسی عبادت تھی جو خاموشی کے ساتھ بے روک ٹوک ادا کی جا سکتی تھی۔ پس عقلاً سب سے پہلے اسی کو فرض ہونا چاہیے تھا کہ آغاز عہد کی مظلومیت و مسکنت میں بآسانی ادا کیا جا سکتا تھا لیکن تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز تو پہلے ہی دن فرض کر دی گئی مگر روزہ ۲ھ میں فرض ہوا۔ جب کہ مال غنیمت سے مدینہ کا دامن بھر گیا تھا۔ اور تکبیر و تہلیل کی صداؤں کو ایک فضائے غیر محدود مل گئی تھی۔

آخر اس کے اندر کون سی حکمت پوشیدہ ہے؟ کیا اسلام کا نظامِ عبادت ترکیب معکوس پر قائم ہے؟

علّتِ تقدمِ صلوٰۃ

اسلام ایک دینِ قیّم ہے ترتیب و نظام اس کی حقیقت میں داخل ہے۔ پس ضرور ہے کہ عبادات کی فرضیت کی تقدیم و تاخیر میں بھی اسرار و علل پوشیدہ ہوں اور تدبر و تفکر سے کام لیا جائے۔ تو فی الحقیقت نماز کی تقدیم اور روزے کی تاخیر میں ایک دقیق اور اہم نکتہ پوشیدہ ہے۔

اگر ہمارے پاس غذائے لطیف نہیں، آب خوشگوار نہیں، زوجہ جمیلہ نہیں۔ غرض وہ تمام چیزیں نہیں جن کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو ایسی حالت میں ان تمام چیزوں سے منہ موڑ لینا کوئی حقیقی تقوٰے نہ ہو گا۔ بلکہ ایک مجبوری کی شکل ہو گی۔ کیونکہ اگر روزہ نہ رکھیں جب بھی دن بھر فاقہ سے گزرتا ہے۔ پس اگر مکہ میں روزہ فرض کر دیا جاتا تو وہ اسی قسم کا ایک مجبورانہ تقوٰے ہوتا۔ لیکن مدینہ منورہ کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں زمین اپنے خزانے اگل رہی تھی خوبصورت کنیزیں ہر طرف سے آ کر جمع ہو رہی تھیں۔ فتوحات کے آغاز نے طرح طرح کی نعمتوں کے انبار لگا دیے تھے اور آزادی کے احساس نے ان کے جذبات کو اور بھی مشتعل کر دیا تھا۔ ایسی حالت میں اگر کوئی شخص ان لذائذ طیبہ سے احتراز کرتا تو یہ بے شبہ اس کے قوتِ ایمان و ضبطِ نفس کی دلیل ہوتی۔ اسلام درحقیقت صبر و توکل کی ایک آزمائش اور زہد و تقوٰی کی امتحان گاہ ہے۔ اس لیے صبر و قناعت کے لیے اس نے مسلمانوں کے زہد و تقوٰی کو روزے کے ساتھ آزمایا جب کہ لغزش اور ٹھوکر کے اسباب فراہم ہونا شروع ہو گئے۔

آغازِ صیام

جمہور مفسرین کا بیان ہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں نے بھی روزہ بالکل انہی خصوصیات کے ساتھ اختیار کیا تھا جس کی مثال عیسائیوں کے سلسلہ عبادات میں قائم ہو چکی تھی۔ یعنی عیسائیوں کے یہاں روزہ نہایت سخت شرائط کا پابند تھا۔ مثلاً اگر کوئی افطار کر کے سو جاتا تھا تو اس پر کھانا پینا، عورت کے پاس جانا حرام ہو جاتا تھا اور اسی نیند کی ابتدا سے اس کے روزہ کی ابتدا قرار پاتی تھی۔ شروع اسلام میں مسلمان بھی انہی شرائط کے پابند تھے۔ لیکن بعض صحابہ نے حالت روزہ میں دن بھر کام کیا۔ شام کے وقت پلٹے تو کھانا تیار نہ تھا۔ بی بی نے کھانا پکانا چاہا۔ مگر ان کو کھانے سے پہلے ہی نیند آ گئی اور بغیر افطار کیے ہوئے سو گئے اسی فاقہ کی حالت میں دوسرے روز کا روزہ رکھنا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیہوش ہو گئے یہ تو مجبوری کی صورت تھی۔ لیکن بعض لوگ ضبط نفس بھی نہ کر سکے خود حضرت عمرؓ اپنی بی بی سے علیحدہ نہ رہ سکے اس بناء پر خداوند تعالٰے نے تشریح مزید کر دی کہ شریعت اسلامیہ کا روزہ اقوام سابقہ کے شدائد پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس میں ہر طرح کی آسانیاں اور سہولتیں رکھی گئی ہیں۔

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم ھن لباس لکم وانتم لباس لھن علم اللہ انکم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالئٰن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر۔

تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں بیوی کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ خدا کو معلوم ہوا کہ تم لوگ چھپا کر ایسا کرتے تھے۔ یہ گویا اپنے نفس کے ساتھ خیانت تھی۔ پس خدا نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور معاف کر دیا۔ رات بھر اطمینان سے کھاؤ پیو۔ یہاں تک کہ سفید دھاگا صبح کے سیاہ ڈورے سے ممتاز ہو جائے۔

صلوٰۃ وصیام

نماز ایک محتسب ہے جو ہم کو ہر برائی سے بچاتی ہے

ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر

نماز بُری باتوں سے روکتی ہے۔

لیکن محض احتساب سے تقوٰی حاصل نہیں ہو سکتا۔ طبیب ہم کو پرہیز بتاتا ہے اور ہم اس کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے۔ اس کے پرہیز کا اصل مقصد یعنی صحت حاصل کرنا نہیں۔ نماز ہم کو تقوٰے کی راہ دکھاتی ہے۔ لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو ہم کو نماز کے احتساب کا نتیجہ عملی صورت میں دکھا دیتی ہے۔ نماز ہم کو تقوٰے سکھاتی ہے۔ اور ہم نے روزے میں تمام منہیات سے احتراز کر کے تقوٰے حاصل کر لیا پس نماز کا اصلی نتیجہ روزہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نماز کے بعد فرض کیا گیا۔ کیونکہ نتیجہ کبھی اصلی علت سے منفک نہیں ہو سکتا۔

زکوٰۃ وصیام

روزہ اگرچہ نماز کا عملی نتیجہ ہے لیکن وہ خود زکوٰۃ کی علت بن جاتا ہے۔ انسان جب روزہ رکھتا ہے تو خود بھوکا اور پیاسا رہ کر غریبوں اور مسکینوں کی بھوک پیاس کا اچھی طرح اندازہ کر لیتا ہے پس

اسے وہ فقراء اور مساکین یاد آجاتے ہیں۔ جو بارہ مہینے اس تکلیف میں مجبوراً مبتلا رہتے ہیں جس تکلیف کو روزہ دار نے اپنی خوشی سے ایک ماہ کے لیے اختیار کیا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کے دل میں ان کی اعانت کا حقیقی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور جب کبھی کسی بھوکے پیاسے کو دیکھتا ہے تو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیتا ہے کہ اس پر کیسی مصیبت طاری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں معمول سے زیادہ انفاق کیا کرتے تھے اور یہی سبب ہے کہ رمضان کے صدقہ فطر واجب کیا گیا۔

اس لحاظ سے عبادات کے سلسلہ میں زکوٰۃ کا تیسرا درجہ اتفاقی نہیں بلکہ عقلی ہے کیونکہ وہ روزہ کا نتیجہ ہے۔ عبادات کے سلسلہ میں روزے کا چونکہ دوسرا درجہ تھا۔ اس لیے اس کے نتیجے کا تیسرا اثر زکوٰۃ قرار پایا۔

حج وصیام

حج ان تمام عبادات کا جامع ہے۔ اس کے علاوہ اسلام کا آخری فرض ہے۔ نماز بھی اس کا جزو ہے جو خطبہ و جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے وہ روزہ و زکوٰۃ کا بھی ذریعہ بن سکتا ہے۔

فمن کان منکم مریضاً او بہ اذًی من راسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک۔

تو تم میں سے جو مریض ہو یا اس کے سر پر کوئی مرض ہو تو وہ روزے کا یا قربانی کا فدیہ ادا کرے۔

پس وہ اسلام کی عبادات سہ گانہ کا ایک جامع مرقع ہے جو دنیا کو علی الاعلان دکھایا جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت حج بھی روزے کا آخری نتیجہ ہے۔ روزے کا بہترین نتیجہ یا تقوے کا ایک بہترین مظہر اعتکاف ہے جس میں انسان پر وہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو خود روزے کے زمانہ میں حلال تھیں۔

ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد تلک حدود اللہ فلا تقربوھا کذالک یبین اللہ لکم ایٰتہ لعلکم یتقون۔

اور اپنی عورتوں کے پاس حالت اعتکاف میں نہ جاؤ۔ یہ خدا کے حدود ہیں۔ ان سے بچو۔ اسی طرح خدا اپنی آیتوں کو انسان کے لیے بیان کرتا ہے کہ وہ تقوے اختیار کریں۔

اعتکاف تقوے کا بہترین مظہر ہے۔ اس لیے اس کے لیے وہ تمام شرائط لازمی ہیں جن کے آغوش میں تقوے نشو و نما پاتا ہے۔ اعتکاف کے لیے روزہ ضروری ہے جو مجسم تقوے ہے مسجد کی حدود کے باہر کوئی شخص معتکف نہیں ہو سکتا۔ اور مسجد ہی وہ گھر ہے جس کو خدا نے مؤسس علی التقوی کہا ہے۔ پس اعتکاف روزہ کا ایک جزو یا اس کی ایک اعلیٰ ترین شکل ہے۔ اور حج کی غرض سے ہم جس مقدس گھر کی زیارت کو جاتے ہیں اس کی تعمیر کا بھی ایک مقصد "اعتکاف" تھا:۔

وعھدنا الی ابراھیم و اسمٰعیل ان طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔

اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہم السلام) کو وصیت کی کہ تم ہمارے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور مجاوروں کے لیے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک کرو۔

شہر رمضان

لیکن ہم کو سب سے زیادہ اس چیز پر غور کرنا چاہیے جس کی بناء پر قرآن مجید رمضان میں نازل کیا گیا۔ ہم نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، حج کرتے ہیں، لیکن ہم پر کوئی آیت نازل نہیں ہوتی۔ صرف روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی برکت سے ہم پر پورا قرآن نازل ہوا۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القراٰن۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو صرف متقین کے لیے نازل فرمایا ہے:۔

ذالک الکتاب لا ریب فیہ ھدًی للمتقین الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون۔

"اس کتاب میں کوئی شبہ نہیں وہ ان پرہیزگاروں کے لیے راہنما ہے جو غیب پر ایمان لاتا ہے نماز پڑھتے ہیں اور ہم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہے اس میں سے انفاق و صدقات کرتے ہیں"۔

روزہ صرف تقوے کا نام ہے۔ اس بناء پر قرآن مجید کا حقیقی ظرف رمضان اور اس کا حقیقی مخاطب صرف روزہ دار ہی ہو سکتا ہے۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القراٰن ھدًی للناس وبینٰت من الھدٰی والفرقان۔

رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو ہدایت ہے لوگوں کے لیے اور اس میں نہایت واضح اور روشن دلیلیں امتیاز و ہدایت کی موجود تھیں۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ خدا نے سورہ بقرہ کے اول میں ھدًی للمتقین کہا ہے اور یہاں ھدًی للناس کہا ہے۔ اس لیے ان دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی وہی ہے جو پرہیزگار ہے جو پرہیزگار نہیں وہ آدمی نہیں — دوسرے الفاظ میں اس مفہوم کو یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ کامل انسان وہی ہے جو روزہ دار ہے یعنی ضبط و صبر اور ایثار کی قوت رکھتا ہو۔ جو روزہ دار نہیں وہ انسان ہی نہیں۔ کیونکہ انسان وہی ہے جس میں چارپایوں سے کچھ زیادہ جوہر موجود ہو وہ جوہر اس کی ملکوتیت ہے۔

روزے سے انسان کے قلب میں تقویٰ و طہارت کی جو کیفیت الٰہیہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا مظہر اگرچہ اس کی زندگی کا ہر حصہ ہو سکتا ہے۔ تاہم اس کے اظہار کا حقیقی موقع معاملات تمدنی ہیں۔ جہاں انسان کا قدم ڈگمگا جاتا اور حلال و حرام کے درمیان جو مشتبہات ہیں۔ ان کی تمیز اٹھ جاتی کسی نے امام محمدؒ سے کہا کہ آپ نے زہد میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے معاملات میں کتابیں لکھ دی ہیں۔ زہد کا مظہر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس لحاظ تمہارے معاملات روزے کے نتائج کے نتائج کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزے کے احکام کے بعد فرمایا۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔

اور اپنے مال کو باہم ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ اور نہ حکام کو رشوت دو کہ وہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ ناجائز طریقہ سے نہ کھائیں۔

نظم کلام و ترتیب آیات کے لحاظ سے ان احکام کو بظاہر روزے سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ روزے کی روح بھی اکل حلال ہے۔ روزہ نے انسان پر اکل حلال صرف اس لیے حرام کر دیا کہ اگر رسد رمق پر قناعت نہیں کر سکتا تو اس کو کم از کم زہد و قناعت کا خوگر ہو کر اکل حرام سے تو ضرور بچنا چاہیے — قرآن مجید کا تو طرز خطاب یہی ہے کہ وہ مقدمات کر دیتا ہے، ان کے نتائج پیش کر دیتا ہے لیکن یہ نہیں بتلاتا ہے کہ اس میں کون سا مقدمہ ہے اور کون سا نتیجہ؟ تاہم فطرت سلیمہ خود بخود اس کی طرف ہدایت کرتی ہے۔

ان ھٰذا القراٰن یھدی للتی ھی اقوم۔

دوزخ کی ڈھال

اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ (بخاری)

روزہ رکھنا دوزخ کی ڈھال ہے
دیکھنا روزے کا کتنا ہے ثواب
ٹال دیتا ہے جہنم کا عذاب

اہل السنت والجماعت کی صداقت وحقانیت (ایک علمی وتحقیقی مقالہ)

از: مولانا قاضی مظہر حسین صاحب، خلیفۂ مجاز شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت معاویہؓ اور مودودی

جو لوگ خلفائے ثلاثہ حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے مخالف ہیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کریں تو اور بات ہے لیکن مودودی جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے باوجود خلفائے ثلاثہؓ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنے کے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اور صحابہ کرام کی عظمت سے ناواقف تعلیم یافتہ نوجوانوں کو حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ جلیل القدر صحابہ سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہے یہ ان کی بہت خطرناک اور فتنہ انگیز پالیسی ہے اور نہ صرف حضرت معاویہؓ بلکہ خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عظیم شخصیت کو بھی جس طرح مجروح کرنے کی کوشش کی ہے یہ کسی سنی عالم و قائد کا کام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی خلافت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

"اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کیے رکھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ابلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کرکے اپنے پورے زمانہ خلافت ۱۲ سال میں ان کو اس صوبے پر برقرار رکھا۔ دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔" (خلافت و ملوکیت صـ۱۱۵)

تعجب ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کو خطرناک اور فتنہ انگیز کہنے کے باوجود بھی مودودی صاحب حضرت عثمانؓ کو خلیفہ راشد لکھ رہے ہیں۔ اس کو اگر تقیہ پر نہ محمول کیا جائے تو اور کیا کہا جائے گا۔ اگر مودودی صاحب انصاف سے کام لیتے تو حضرت عثمانؓ کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ کے اس طویل تقرر کی تعریف کرتے کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اسلامی فتوحات نے کفر کی بڑی بڑی طاقتوں کو زیر و زبر کرکے رکھ دیا تھا۔ اور افریقہ تک آپ کے لشکروں نے اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت معاویہؓ کے لشکر نے محرم ۵۳ھ میں قندھار کو فتح کیا تھا۔

قیروان چھاؤنی اور صحابہ کرام کی کرامت

تاریخ طبری کے حوالہ جات مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں جابجا پیش کیے ہیں۔ اسی تاریخ طبری میں یہ بھی لکھا ہے کہ

"معاویہ بن ابی سفیان نے عقبہ بن نافع فہری کو افریقہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ عقبہ نے اسے فتح کیا اور شہر قیروان کی بنیاد ڈالی۔ اس مقام پر درندے، جانوروں اور سانپوں سے بھرا ہوا ایسا جنگل تھا کہ وہاں جانے کی کسی کو جرأت نہ تھی۔ عقبہ نے ان جانوروں کے لیے بددعا کی۔ سب کے سب وہاں سے بھاگ گئے۔ درندے اپنے بچوں کو منہ میں اٹھائے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔ عقبہ نے پکار کر کہا۔ اب ہم لوگ یہاں آ گئے ہیں۔ تم سب غول کے غول منتشر ہو جاؤ۔" (تاریخ طبری اردو صـ۹۱ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

حضرت معاویہؓ کی صریح توہین

مودودی صاحب نے یہاں تک لکھ دیا کہ:-

۱۔ "مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے احکام کی صریح خلاف ورزی کی۔"
(خلافت و ملوکیت صـ۱۷۳)

۲۔ "زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہؓ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔"
(خلافت و ملوکیت صـ۱۷۶)

۳۔ "ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر عین روضۂ نبویؐ کے سامنے حضورؐ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔ کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا۔ اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔"
(خلافت و ملوکیت صـ۱۷۴)

یہاں تفصیلی جواب کی گنجائش نہیں میں نے اپنی کتاب "مودودی مذہب" میں زیاد کے اس استلحاق کے متعلق تاریخی حوالجات سے اس کا جواب دیا ہے یہ بحث وہاں دیکھ لی جائے۔ لیکن یہاں ہم اہل عقل و انصاف سے صرف یہ پوچھتے ہیں کہ اگر یہ صحیح ہے کہ دور صحابہؓ میں (جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد سب سے بہتر زمانہ قرار دیا ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (الحدیث) یعنی سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا زمانہ بہتر ہوگا جو ان کے بعد ہیں پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہوں گے) مسجد نبوی میں روضہ مقدسہ کے سامنے منبر رسولؐ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کو خطبہ جمعہ کے دوران گالیاں دی جاتی تھیں۔ اور حضرت علیؓ کے قریب ترین رشتہ دار یہ گالیاں اپنے کانوں سے سنتے بھی تھے تو کیا حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کی اولاد نعوذ باللہ اتنی ہی کمزور اور بزدل تھی کہ وہ ایسے خطیبوں کے خلاف کچھ نہیں کرتے تھے۔ کیا اگر آج کوئی شخص خطبہ جمعہ کے دوران منبر پر ابوالاعلیٰ مودودی صاحب پر گالیوں کی بوچھاڑ کرے تو ان کے معتقدین اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ نہیں نہیں معتقدین صاحبان تو اپنے امیر مودودی صاحب کے اتنے وفادار اور جانثار ہیں کہ اگر ان کے خلاف اخبارات میں کوئی ادنیٰ بھی تنقیدی بیان آجائے تو مشتعل ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی زبانیں اور قلمیں اس کے دفاع کے لیے حرکت میں آجاتی ہیں۔ تو کیا ان کے نزدیک حضرت معاویہؓ کی دینی عزت و عظمت مودودی صاحب سے کم ہے کہ ان کے خلاف تو علمی تنقید بھی برداشت نہیں کرتے۔ اور حضرت معاویہؓ کے خلاف ایسے توہین آمیز الفاظ قبول کر لیتے ہیں۔

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

(باقی آئندہ)

نصابِ دینیات کے مسائل

ایک تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر محمد مقصود عالم بخاری

ہمارے مدارس میں تعلیم دین کا اہتمام کرنے کے لیے بلند بام منصوبے بنائے جاتے رہے اور نصابِ دینیات کی ترتیب کے وقت بڑے عظیم مقاصد کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ لیکن ان مقاصد کے حصول میں چھبیس سال کے اس عرصہ میں ہم کس حد تک کامیاب ہوئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ آج تک کتنی کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ جن کے ذریعے سے یہ جائزہ لیا گیا کہ ہمارے مدارس میں تعلیمِ دین کے مسائل کیا ہیں اور تعلیمِ دین کو مؤثر بنانے کے لیے ہمیں کون سے اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس مقالہ میں نصاب دینیات کے چند ایسے مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے جو توجہ طلب ہیں۔

نصاب دینیات کا تعین

(۱) جماعت اول اور دوم کے نصاب دینیات کا تعین تو ضرور کر دیا گیا ہے لیکن کوئی درسی کتاب نہ ہونے کی وجہ سے یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ تعلیم دینیات نہ ہونے کے برابر ہے۔ بہت کم اساتذہ اتنی زحمت گوارا کرتے ہیں کہ سلیبس کو سامنے رکھ کر اس کے مطابق بچوں میں تعلیمِ دین کے اُن پہلوؤں کو اجاگر کریں جن کا تعین نصاب میں کیا گیا ہے۔ یہ درست ہے کہ ان ابتدائی درجات میں درسی کتب طلبہ کے لیے اتنی مفید نہیں ہوتیں۔ کیونکہ بچوں میں پڑھنے کی استطاعت نے اس حد تک ترقی نہیں کی ہوتی کہ وہ جدا نصابی کتب کے مطالعے سے مستفید ہو سکیں۔ لیکن اس مسئلہ کا حل تلاش طلب ہے۔ صرف اس ایک سبب کو سامنے رکھتے ہوئے ہم تعلیم دین کو جوں کا توں رہنے دیں۔ تو ہم تعلیم دین ایسے اہم مضمون کے ساتھ انصاف نہیں برتیں گے یہ بھی درست ہے کہ جو اساتذہ ذرا سی تکلیف گوارا کر کے اس اہم مضمون کی طرف ذرا سی توجہ بھی دیتے ہیں۔ وہ اپنے تدریسی فرائض بخوبی سرانجام دیتے ہیں لیکن محکمانہ طور پر ایسے اقدام کا اٹھانا ضروری ہے کہ اساتذہ کو نصاب کے مطابق تیار شدہ مواد بآسانی میسر آ سکے تاکہ اساتذہ اپنے آپ کو تیار شدہ نصابی مواد کے بہت قریب پا کر تدریسی فرائض بخوبی انجام دے سکیں۔ اس ضمن میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رہنمائے اساتذہ (ٹیچرز گائیڈ) تیار کی جائیں جو کہ سلیبس کے مطابق ہوں اور ان کے نسخے ہر مدرسہ میں مفت بھیجے جائیں۔ رہنمائے اساتذہ کے یہ نسخے مدرسہ کی لائبریری کی ملکیت ہوں۔ تاکہ متعلقہ معلمین جماعت اور مضمون کے مطابق تعلیمی سال کے شروع سے ہی یہ نسخے اپنے نام پر جاری کروا لیں۔ اور انہیں بچوں کی تدریسی فرائض کی انجام دہی میں آسانی ہو۔ یہ قدم اٹھانے سے توقع ہے کہ بچوں کی تعلیم دینیات زیادہ مؤثر ہو گی۔ رہنمائے اساتذہ کی تیاری کا یہ کام صرف جماعت اوّل اور دوم تک ہی محدود نہ رہنا چاہیے بلکہ تمام جماعتوں کے لیے ہو۔

(۲) دینیات کے مضمون کو نصاب مدرسہ میں اتنی اہمیت حاصل ہے کہ جماعت اوّل سے دہم تک اسے لازمی مضمون کا درجہ دیا گیا ہے یعنی جو طلبہ اس مضمون میں پاس نہیں ہوتے اگرچہ باقی تمام مضامین میں پاس کیوں نہ ہوں فیل تصوّر کیے جاتے ہیں۔ مڈل سٹینڈرڈ اور میٹرک کے امتحانات میں اس مضمون کے لیے سو سو نمبروں کے پرچہ جات ہوتے ہیں لیکن ایسی اہمیت کے حامل مضمون کو اوقاتِ مدرسہ کے انضباط میں صرف اڑھائی (۲½) پیریڈ فی ہفتہ کے حساب سے وقت دیا جاتا ہے یعنی اس مضمون کی تدریس کے لیے موسم سرما میں بیس منٹ روزانہ کے حساب سے اور موسم گرما میں پندرہ منٹ روزانہ کے حساب سے ہفتہ بھر میں پانچ دن وقت دیا جاتا ہے جبکہ مساوی نمبروں والے دوسرے مضامین کو اس سے دوگنا وقت دیا جاتا ہے۔ ضروری ہے کہ تدریس دینیات کے لیے بھی باقی مضامین کی طرح کم از کم ۲۰۰ منٹ فی ہفتہ کے حساب سے وقت دیا جائے تاکہ مؤثر تدریس ممکن ہو اور ایسا مضمون جس میں عقائد اعمال، آداب، اخلاق، سیرت النبی کی تعلیم کے علاوہ ناظرہ قرآن خوانی، آیاتِ قرآنی و حدیث نبویؐ کا ترجمہ اور کچھ قرآنی آیات کا حفظ کرنا بھی شامل ہو کے ساتھ کم از کم وقت کے اعتبار سے تو انصاف ہو سکے۔ وقت کی قلت مؤثر تدریسِ دین کے راستے میں حائل ہے۔ بیس منٹ کے اس قلیل وقت میں کچھ وقت استاد کے آنے جانے میں صرف ہو جاتا ہے اور بمشکل پندرہ منٹ تعلیم دین پر صرف ہوتے ہیں اور موسم گرما میں تو یہ وقت اور بھی کم ہو جاتا ہے کیونکہ پیریڈ چھوٹے ہوتے ہیں۔

اگر اس مضمون کی تدریس کے لیے ۴۰ منٹ یومیہ مقرر کیے جائیں تو استاد اس وقت کو حصص میں تقسیم کر کے ایک حصہ ناظرہ قرآن خوانی کے لیے ایک حصہ نفسِ مضمون کے لیے اور کچھ حصے ایسے نصائح میں صرف کر سکتا ہے جن کی بنیاد پر طلبہ کی حقیقی تربیت ہو سکے اور بچے روحِ اسلام کو سمجھ کر اپنے کردار میں خوش آئند تبدیلی لا سکیں۔

یہاں پر اس امر کی توضیح بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ بعض مدارس میں صدر معلم نے دعا کے بعد بیس منٹ ناظرہ قرآن خوانی کے لیے وقف کیے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ایک تحقیقی جائزہ لیا جائے کہ کتنے فی صد مدارس میں ناظرہ قرآن خوانی کا یہ اہتمام ہے تو نتائج انتہائی مایوس کن ہوں گے۔

(۳) کسی بھی مضمون کی تدریس کے لیے خصوصی مدرس کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور ایسا معلم جو اس خاص مضمون میں عام قابلیت کے علاوہ پیشہ وارانہ تدریسی قابلیت کا بھی حامل ہو بہتر تدریسی فرائض سرانجام دے گا۔ بالکل سیدھی سی بات ہے کہ اگر ریاضی کی تدریس کے لیے ایسا معلم درکار ہے جس نے بی اے یا ایم اے تک ریاضی کا مضمون پڑھا ہو۔ تدریس سائنس کے لیے بی۔ ایس سی یا ایم۔ایس۔سی معلم کی ضرورت پیش آتی ہے — تو تدریس دینیات کے لیے بھی ایسا معلم ضروری ہے جو بی۔اے یا ایم۔اے تک اسلامیات کا مضمون پڑھا ہوا ہو۔ اور پھر بی۔ایڈ یا کسی اور پیشہ وارانہ تربیتی عرصہ میں اس نے تدریس دینیات کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھا ہو۔

پیشہ وارانہ تربیتی کورس کے لیے امیدوار کا انتخاب کرتے وقت اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ تدریس دینیات کے لیے ایسے افراد منتخب کیے جائیں جن کی زندگی اتباعِ سنتِ رسولؐ میں گزرتی ہو اور وہ اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ ہوں۔ اگر استاد کی اپنی زندگی اسلام کے سانچے پر نہ ڈھلی ہو تو پھر یہ امید عبث ہو گی کہ اُس کے پڑھاتے ہوئے طلبہ میں اسلامی روح پھونکی جا سکے اور یہ کہ طلبہ اچھے مسلمان اور اچھے شہری بن سکیں۔

باعمل اساتذہ

یہاں پر ایک اعتراض ممکن ہے کہ ایسے اساتذہ کا ملنا قدرے مشکل ہے جو باعمل بھی ہوں اور بی اے یا ایم۔ اے بھی ہوں۔ اس مشکل کا حل یہ ہو سکتا ہے کہ معیاری دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء کو مختلف تدریسی پیشہ ورانہ اداروں جیسے

داخلہ کا حق دے دیا جائے۔ تاکہ اس مواد سے باعمل معلم دینیات میسر آسکیں۔

ایک اور اعتراض بھی ممکن ہے کہ ہمارے پاس کون سا میزانیہ ہے۔ جس سے ہم یہ پرکھ سکیں کہ یہ امیدوار واقعی اور باطنی طور پر اسلامی اصولوں پر چلنے والا ہے اور عدل وانصاف، حق گوئی، ایفائے عہد اور ایسی ہی دوسری اسلامی روایات کا حامل ہے۔ اور یہ کہ اس کی زندگی جھوٹ، مکاری، کینہ، چغلی، بدکاری اور ایسے دوسرے افعالِ شنیعہ سے ممکن حد تک احتراز میں گزرتی ہے تو اس مقصد کے لیے ایسے ٹیسٹ تیار کیے جاسکتے ہیں۔ جن کے استعمال سے امیدوار کے حقیقی رجحان کا تعین کیا جاسکے۔ پھر ایسے امیدوار جو ظاہری طور پر تابعِ سنتِ رسولؐ ہیں۔ باطنی طور پر بھی اسلامی روایات کی طرف راغب پائے جائیں۔ اسلامی تعلیمات سے بھی مزیّن ہوں۔ جب ایسے لوگ پیشہ ورانہ تعلیم کے لیے منتخب کیے جائیں اور ان کو تدریسِ دینیات کی تربیت سے آراستہ کرکے مدارس میں تدریسِ دین کے لیے بھیجا جائے تو وہ بہتر معلم دین ثابت ہوں گے اور طلبہ میں صحیح اسلامی روح پھونک سکیں گے۔ بشرطیکہ وہ اپنے فرائض خوش اسلوبی اور ایمانداری سے سرانجام دیں۔

اگر بی۔ ایڈ میں داخلہ کے موجودہ طریق کار کو دیکھا جائے تو یہ دیکھ کر مایوسی ہوتی ہے کہ بی اے تک اسلامیات پڑھنے والوں کا بی ایڈ میں داخلہ تقریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ بی ایڈ میں داخلہ کے لیے سکول کے مضامین کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔ اور اس کورس میں داخلہ کے لیے اسلامیات کو سکول کا مضمون ہی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ جبکہ مدارس میں اسلامیات کو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے۔ یہ ایک عجیب تضاد ہے۔ کہ جو مضمون سکول میں لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جارہا ہو۔ اسے معلمی کے تربیتی کورس میں سکول کا مضمون ہی تصور نہ کیا جائے۔ اس عملی تضاد کے درج ذیل اسباب نظر آتے ہیں:۔

۱۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہر مدرس دینیات کی تدریس کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے۔

۲۔ ماضی میں بی اے اسلامیات والے کافی لوگ بی ایڈ کرچکے ہیں۔ اور اب وہی اساتذہ دینیات کے تدریسی فرائض سرانجام دے سکتے ہیں۔

۳۔ اب سائنسی دور ہے اور نئی تعلیمی پالیسی کے مطابق ایسے اساتذہ زیادہ تعداد میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو سائنسی اور تکنیکی تعلیم دے سکیں۔

۴ — ہم دینیات کی تدریس کو عملی طور پر اہمیت کا حامل نہیں سمجھتے اور تدریسِ دینیات کے بلند بانگ مقاصد صرف لفاظی ہے اور خالی نعرے ہیں

اگر ہم بی۔ ایڈ میں داخلہ کے وقت اسلامیات والے طلبہ کو نظرانداز کیے جانے کی درج بالا وجوہات کا جائزہ لیں تو پہلے دعوی کا کھوکھلا پن تو پہلے ہی واضح ہوچکا ہے اور ثابت کیا جاچکا ہے کہ ہر مضمون کی تدریس کے لیے خصوصی اساتذہ کی ضرورت ہے۔ دوسرے دعوے میں بھی کچھ ایسی جان نہیں ہے۔ کیونکہ اساتذہ کی تربیت کا کام تو ہر وقت جاری وساری رہنا ضروری ہے۔ اگر ہر مضمون کی تدریس کے لیے ہر سال اساتذہ کی تربیت کا سلسلہ جاری نہ رکھا جائیگا تو نئے کھلنے والے مدارس میں معلم کہاں سے آئیں گے ضروری ہے کہ ایک خاص مطلوبہ تعداد میں ہر مضمون کی تدریس کے لیے اساتذہ تیار ہوتے رہیں اور تربیتِ اساتذہ کا یہ سلسلہ ایسے منظم منصوبہ کے تحت کیا جائے کہ کوئی تربیت یافتہ استاد بے کار نہ رہے تاکہ معلمین کے تازہ ترین علم سے حتی المقدور فائدہ اٹھایا جائے۔ تیسرا دعوے بھی بے بنیاد ہے۔ کیونکہ تعلیم میں سائنسی رجحان کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ تعلیم دین کو نظرانداز کر دیا جائے۔ چوتھے دعوے میں جزوی حقیقت نظر آتی ہے یہ کہ ہم تدریس دینیات کے فرائض سرانجام دینے کے لیے اپنے فرائض سے کماحقہ عہدہ برآ نہیں ہوتے اسے صرف مسجدوں کا مضمون سمجھا اور کبھی یہ ضرورت محسوس نہ کی کہ تدریس دینیات کے لیے خصوصی معلمین کی تیاری کا انصرام کریں۔

تعلیم دینیات کے کمروں میں تخصیص

(۴) کسی مضمون کی موثر تدریس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایک خاص کمرہ جماعت ہو جس میں داخل ہوتے ہی طلبہ ذہنی طور پر اس مضمون کو پڑھنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ مثال کے طور پر سائنس کا مضمون ایک عام کمرہ جماعت میں پڑھایا جائے تو تدریس ایسی موثر نہیں ہوگی جتنی کسی تجربہ گاہ کے اندر۔ کیونکہ تجربہ گاہ میں ایک خاص ماحول موجود ہوتا ہے اور طلبہ سائنس کا مضمون پڑھنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح تدریس دینیات کے لیے بھی ایک خاص کمرہ جماعت کی ضرورت ہے جس میں داخل ہونے سے قبل طلبہ اور استاد باوضو ہوں۔ ناظرہ قرآن خوانی ہو تو ان آداب کے ساتھ جو قرآن خوانی کے لیے ضروری ہیں۔ اخلاق و آداب اور عقائد واعمال کی تعلیم کے لیے باعمل استاد موجود ہو۔ ایسی دینی فضا میں طلبہ پر جو اسلامی رنگ جمے گا وہ ایک ایسے عام کمرہ جماعت میں پڑھنا ناممکن ہے۔ جہاں پر استاد اور طلبہ دونوں بے وضو ہوں۔ استاد کرسی پر بیٹھا ہو اور طلبہ دینیات کی کتب لیے اس کے پاؤں میں ٹاٹ پر بیٹھے ہوں۔ جہاں ٹاٹ پر بیٹھے ہوئے طلبہ جب تھک جائیں تو ٹانگیں پھیلا کر اس بستے پر پاؤں رکھ دیتے ہوں جس میں دینیات کی کتاب پڑی ہو۔ بھلا ایسی فضا میں "لا یمسہ القرآن الا المطہرون" کی تعلیم کیا رنگ لاسکتی ہے۔

یہاں پر ایک امر قابل بیان معلوم ہوتا ہے کہ آج کل تقریباً تمام درسی کتب کے ابتدائی صفحات پر آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ معہ ترجمہ لکھی جاتی ہیں۔ ان کے لکھنے میں مقصد تو بہت نیک اور بہت بلند تھا کہ طلبہ کم از کم چند آیات و احادیث کا مفہوم تو سمجھ لیں لیکن ان کو پڑھنے اور سمجھنے والے تو بہت کم اور ان کی بے حرمتی کرنے والے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

ایک امر دریافت طلب ہے کہ جب واضح قرآنی حکم موجود ہے کہ قرآن پاک کو ہاتھ لگانے سے پہلے آدمی باوضو ہو یا بعض تفاسیر کے مطابق کم از کم پاکیزگی کی حالت میں ہو تو کیا تمام لوگ جو ان درسی کتب کو پڑھتے ہیں۔ اور ان درسی کتب کو اپنے ہاتھوں میں لیے ہوتے ہیں سب باوضو یا کم از کم پاکیزگی کی حالت میں ہوتے ہیں۔ کیا حائضہ لڑکیاں ان کتابوں کو ہاتھ میں لے کر نہیں پڑھتیں۔ اور کیا یہ قرآن پاک کی بے حرمتی اور حکم خداوندی کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے۔ کہیں تو حضرت عمرؓ کو یہ جواب ملتا ہے کہ ان قرآنی اوراق کو مس کرنے سے پہلے غسل کرو۔ اور کہاں آج کے طلبہ اور طالبات ان بستوں کو پاؤں تلے رکھتے ہیں جن میں قرآنی آیات موجود ہوں۔ اگرچہ طالبات حیض کی حالت میں بھی کیوں نہ ہو۔ ان کتب کو پڑھتی ہیں جن کے سرورق پر قرآنی آیات ہیں۔ کہاں وہ تعلیم کہاں یہ تعلیم۔ اور پھر کہتے ہیں عمرؓ پیدا نہیں ہوتے — احترامِ قرآن کا جو سبق حضرت عمرؓ کو سب سے پہلے ملا۔ آج کے طلبہ کو فارغ التحصیل ہونے پر بھی نہیں ملتا۔

المختصر تدریس دینیات کے لیے جدا کمروں کی موجودگی میں دینیات کی تدریس زیادہ موثر ہوگی۔ ناظرہ قرآن خوانی اپنے عملی رنگ میں نظر آئے گی۔ کیونکہ ناظرہ قرآن خوانی میں جو رکاوٹیں ہیں جدا کمرہ جماعت کی صورت میں دور ہو جائیں گی۔ سجدہ تلاوت کا اہتمام ہوگا۔ مسائل کی تفہیم کے لیے ذہنی آمادگی ہوگی۔ احترام قرآن پیدا ہوگا۔

نصابِ دینیات میں تضاد

(۵) نصاب دینیات کا ایک مسئلہ قول وفعل کا تضاد ہے۔ ہم بچوں کو پڑھاتے کچھ ہیں ہمارے اپنے اعمال اس سے مختلف نظر آتے ہیں۔ اور تعلیمی جائزہ کے موقع پر ہم بچوں کی صرف دینیا

معلومات کا ہی جائزہ لیتے ہیں اور اس بات کی بالکل فکر نہیں کرتے کہ کیا بچوں کے اعمال میں اسلامی طرزِ انداز بھی پیدا ہوا ہے یا نہیں۔ اس طرح یہ مقصدِ تعلیم دین کہ بچے اچھے مسلمان بن سکیں دھرے کا دھرارہ جاتا ہے۔ چاہیے تو یہ کہ جب ہم طلبہ کو سچائی، ہمدردی، عدل و انصاف، ایفائے عہد، عبادت جیسے موضوعات پر تعلیم دیں تو چند ایسے اقدام بھی اٹھائیں کہ یہ امور طلبہ کی شخصیتوں کا جزو بن جائیں۔ جب ہم چغلی، دھوکا دغا بازی، گالی، کینہ، حسد، بغض اور غداری جیسے افعالِ شنیعہ سے احتراز کی تعلیم دیں تو اس بات کا جائزہ ہوتا رہے کہ بچے ان برے افعال سے بچیں اور یہ کہ ان افعال سے بچنا ان کی جزوِ فطرت کی حیثیت اختیار کر جائے۔

قول و فعل کے اس تضاد نے ہمیں بُری طرح کچل کر رکھ دیا ہے۔ عقائد کی بات کیجیے تو خدا کے ایک ہونے کا زبان سے اقرار لیکن سینکڑوں بت دل میں بٹھا چھوڑنا۔ خدا کی امداد پر ایمان نہ ہونا۔ اور دوسروں کے دروازوں پر سجدے کرتے رہنا ہمارا کردار بن گیا ہے۔ رسالت کی بات کیجئے تو زبان سے رسول پاکؐ کے متعلق خدا کا آخری رسول ہونے کا اقرار مگر باغیانِ ختمِ نبوّت کو زمرۂ اسلام ہی میں سمجھنا، افعال کا باب کھولیے تو تعلیم نماز مگر خود معلّم بے نماز۔ سچ کی تلقین لیکن صبح سے شام تک سینکڑوں جھوٹ۔ چغلی سے احتراز کی تلقین مگر معلّمین کا خود چغل خور ہونا۔ اخلاق کے باب میں قدم رکھیے تو یہی تضاد۔ تعلیمِ اخلاق، مگر صرف کتابی، عملی طور پر گرے ہوئے اخلاق کا مظاہرہ۔ ہمارے نظامِ تعلیم میں قول و فعل کا یہ تضاد وہ ناسور ہے کہ جتنا اسے کھولتے جائیں، تعفّن بڑھتا چلا جائیگا نصاب دینیات میں اس تضاد کو دُور کرنے کے لیے درج ذیل اقدام مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ اُستاد کا انتخاب

تدریسِ دین کے لیے معلّم کا انتخاب کرتے وقت ایسا معلّم ڈھونڈا جائے جس میں یہ تضاد کم سے کم حد تک ہو۔ تاکہ وہ طلبہ کے لیے مشعلِ راہ بن سکے۔ ظاہری طور پر وہ تابعِ سنّتِ رسولؐ ہو۔ باطنی طور پر اس کے رجحانات کا جائزہ لیا جائے کہ وہ اسلامی طرزِ انداز کا مالک ہو۔ اسلامی تعلیمات کے زیور سے آراستہ اور تدریسِ دینیات کی پیشہ ورانہ مہارتوں سے پیراستہ ہو۔

۲۔ جائزہ کی ڈائری

مدارس میں ایسی ڈائری کا رواج ڈالا جائے جس کے استعمال سے بچوں میں مسلسل اصلاح کا جائزہ ہوتا رہے۔ اس کے ذریعے درج ذیل اوصاف کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

۱۔ پابندیٔ نماز (ب) سلام کہنے کی عادت۔ (ج) دن بھر میں کون سا انسانی ہمدردی کا کام کیا (د) افعالِ نیک کی عادت کا جائزہ (ر) افعالِ بد سے احتراز کا جائزہ وغیرہ۔ نصاب کے مطابق اس ڈائری میں استاد خود ان باتوں کا اضافہ کر سکتا ہے۔ جن کے ذریعہ بچوں میں خود بخود اصلاح کی طرف میلان بڑھتا رہے۔

۳۔ پسندیدہ سرگرمیاں

مدرسہ میں ایسی سرگرمیوں کو رواج دیا جا سکتا ہے جن سے بچوں میں ایمانداری کے جذبات کو فروغ ملے انسانی ہمدردی پیدا ہو، اچھے کاموں کو سراہنے اور افعالِ بد پر اظہارِ نفرت جیسی صفات پیدا ہوں۔ مثلاً ایمانداری کی عادت ڈالنے کے لیے چند سکے سکول کی عمارت میں پھینک کر نگرانی کی جا سکتی ہے کہ کون طالب علم اسے اٹھاتا ہے انسانی ہمدردی پیدا کرنے کے لیے کئی ایک سرگرمیاں ترتیب دی جا سکتی ہیں۔

۴۔ امتحانات

دینی معاملات پر عمل کے نمبر رکھے جائیں۔ اس سلسلہ میں استاد کی جائزہ ڈائری اور استاد کا سال بھر کا مشاہدہ بچوں کے نمبر لگانے میں ممد و معاون ثابت ہو گا انہی نمبروں کی بنیاد پر بچوں کو ان کے چال چلن کا سرٹیفکیٹ دیا جائے۔ ان اقدام سے خود بخود بچوں میں جائزہ نفس کی عادت پیدا ہو گی۔

(۶) نصاب دینیات کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ طلبہ میں تنقیدی نقطۂ نظر پیدا نہیں ہوتا بی۔ اے تک اسلامیات پڑھ جائیں۔ طلبہ میں اسلام کی دوسرے مذاہب پر برتری اور اسلام کی حقانیت کے ثبوت کی تعلیم بہت کم نظر آتی ہے میٹرک تک تو یہ پہلو بالکل ناپید ہے۔ نصابِ دینیات میں درجہ اوّل سے دہم تک عمر کے مطابق درج ذیل موضوعات پر مواد فراہم کرنا بھی بہت ضروری ہے تاکہ طلبہ میں تنقیدی نقطۂ نظر پیدا ہو:۔

۱۔ دین، مذہب اور اسلام کی تعریف۔
۲۔ اسلام کے سچا مذہب ہونے کے ثبوت۔
۳۔ اسلام کے فطری مذہب ہونے کے شواہد۔
۴۔ اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق۔
۵۔ اسلام کی دوسرے مذاہب پر فوقیت۔

(۷) نصاب دینیات کا ایک مسئلہ روزمرہ کے مسائل کی نصاب میں غیر موجودگی ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ اگر ایک عیسائی یا غیر مسلم السلام علیکم کہے تو مسلمان کیا جواب دے!

۲۔ وہ کون سے کلمات ہیں جن کے بولنے سے ہمیں پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان کے بولنے سے ہم گنہگار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کسی کی موت پر یہ کہنا۔ نعوذ باللہ "خدا نے یہ ظلم کیا" یا "یہ بڑا ظلم ہُوا"۔ زمانے کو گالی دینا یا زمانے کو برا کہنا۔ ایسے ہی دوسرے کلمات کی فہرست تیار کرنی چاہیے جن کی ادائیگی سے اسلام ہمیں منع کرتا ہے لیکن جو روزمرہ کے استعمال میں ہماری زبان پر رہتے ہیں۔

۳۔ وہ کون سے کلمات افعال اور عقائد ہیں جن کی وجہ سے ہم دائرۂ اسلام سے خارج ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ شرکیہ نوعیت کے ہوتے ہیں ایسے کلمات، افعال و عقاید قرآن و حدیث کی روشنی میں ڈھونڈنے چاہئیں۔ اور ان کی ایک سادہ سی فہرست بنا کر نصابِ دینیات میں طلبہ کی عمر کے مطابق داخل کر دی جائے۔ اس سے بچوں میں صحیح کلمات بولنے کی شروع سے عادت پیدا ہو جائے گی۔ افعال درست اور عقائد کی اصلاح ہو گی۔

(۸) چونکہ نصاب دینیات میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کا ترجمہ بھی شامل ہے اس لیے شروع ہی سے کم از کم چھٹی جماعت سے عربی گرامر کے چھوٹے چھوٹے اسباق نصاب دینیات میں شامل کر دیے جائیں تو آیات و احادیث کے ترجمہ کی تفہیم میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض اوقات لوگ بی۔ اے تک عربی کا ترجمہ رٹ کر یاد کرتے ہیں اگر عربی گرامر میں اسم، فعل اور حرف کے درس بھی شامل کر دیے جائیں تو بھی بہت حد تک ممد و معاون ہوں گے۔

حکیم فیض الرحمٰن کی اہلیہ کا انتقال

حلقہ احباب میں یہ خبر افسوس کے ساتھ سنی جائیگی کہ مولانا مجاہد الحسینی کے ماموں مولانا حکیم فیض الرحمٰن یکّو پوری کی اہلیہ کئی روز بیمار رہ کر انتقال کر گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم پابند صوم و صلوٰۃ اور شریعت اسلامیہ کے مطابق زندگی بسر کرنے والی خاتون تھیں۔ ہمہ وقت یادِ الٰہی اور ذکر و فکر میں مشغول رہتیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے اور پسماندگان کو صبر و تحمل کی توفیق بخشے

ادارہ خدام الدین مولانا حکیم فیض الرحمٰن اور مولانا مجاہد الحسینی کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ (ادارہ)

باغبانپورہ میں دورۂ تفسیر قرآن مجید

یکم رمضان المبارک سے شروع ہو رہا ہے شائقین جلد داخلہ حاصل کریں۔

محمد اسحٰق امیر انجمن خدام الاسلام جامع مسجد اہلسنت والجماعت جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور

اسلام ◎ نظامِ اخوّت و مساوات

خطیب اسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

پس جو قومیں انسانوں کو یک جوہر یا یک اصل نہیں بتلاتیں وہ دنیا میں کبھی بھی حقیقی جمہوریت کی علمبردار نہیں ہو سکتیں۔ جس کے یہاں انسانوں کا کوئی طبقہ سورج کی اولاد ہو اور کوئی پیروں کی مٹی سے پیدا شدہ ہو، ان کے یہاں اونچ نیچ ہی نہیں چھوت چھات بھی لازم ہو گی جن کے یہاں گورے کو کالے پر پیدائشی برتری ہو اور رنگ و روپ ان کے یہاں مابہ الامتیاز ہو جن کے یہاں انسانوں کی کوئی ایک اصل نہ ہو بلکہ انسان کسی جنگل میں پودوں کی مانند زمین سے اگ آئے ہوں تو ان کے یہاں باہمی جذب و کشش کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جب انسانوں میں پیدائشی طور پر اونچ نیچ، چھوت چھات، برتری اور کہتری، اجنبیّت اور علیحدگی بتلائی جاتے جو میل ملاپ یا اشتراک و یکسانیت اور مساوات کے پیر جمنے ہی نہ دے تو وہاں عالمگیر جمہوریت کے نام لینے کے کوئی معنیٰ ہی نہ ہوں گے اور پھر بھی لیا جاتے گا۔ تو وہ دنیا کو دھوکہ دہی ہو گا جو کبھی شرمندۂ عمل نہ ہو گا۔ یورپ عالمگیر جمہوریّت کا دعویدار ہے اور اس نے بلاشبہ تمدّنی وسائل کو عالمگیر بنا ہی دیا ہے۔ مگر پھر بھی وہ عملاً اسے چلا نہیں سکتا کیونکہ وہاں کالے گورے کا فرق اور خون و نسب کی جوہری تفریق کا جذبہ موجود ہے۔ اور وہ کسی ایسے مسلک پر اعتقاد نہیں رکھتا جو ان کی روحوں اور دلوں میں حقیقی عالمگیر اور یکسانیّت کا جذبہ پیدا کر دے اس لئے اس کا دعویٰ جمہوریّت محض سیاسی مفاد کی حد تک آ کر رک جاتا ہے اور زبانوں پر (رہ کر) حلق سے نیچے نہیں اترتا جہ جاتے کہ کسی مخلصانہ عمل کی داغ بیل ڈالے۔ ان کا سب سے بڑا عمل میدان کالوں کو اپنی سیاست پر نچانا اور دعواتے جمہوریّت کر کے انہیں نیچ اور غلام بناتے رہنے کی سعی کرتے رہنا اور اپنے سیاسی منافع کے لئے ان کے جذبات سے کھیلنا بلکہ ان کے سکراتِ موت سے تفریح کرنا ہے اور بس۔

ہاں حقیقی طور پر وہ مسلک دنیا کے سارے انسانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکتا ہے جو انہیں ایک جوہر بتلا کر ایک ماں باپ کی اولاد بتلاتے اور ان میں رشتہ یگانگت ہی نہیں رشتہ اخوّت ثابت کر کے ان کے باہمی تفرقوں کو مٹا ڈالے اور نسبی فرقوں کو ختم کر دے جو انسانی جہالتوں کی ابتدائی فرقہ واریت ہے اور وہ اسلام کے سوا ہمیں کوئی دوسرا مسلک نظر نہیں آتا۔ غور کیا جاتے تو انسانوں میں یہ رشتہ یگانگت و اخوّت قائم کر کے اسلام نے مذہب ہی کا نہیں انسانیّت کا احترام قائم کیا ہے اور ثابت کیا کہ انسانوں کا کوئی طبقہ کسی حالت میں بھی نجس العین نہیں کہ وہ تو وہ اس سے چھوٹی ہوئی چیز بھی نجس بن جاتے انسان انسان ہے اور اُنس اس سے کسی حال میں بھی منقطع نہیں ہو سکتا اس کے افعال میں گندگی آ سکتی ہے۔ اس کے خیالات ناپاک ہو سکتے ہیں مگر خود انسان اور انسانیت کا جوہر نہیں مٹ سکتا اور اس انسانیّت کی حیثیت سے بہر حال وہ واجب الاحترام ہی رہے گا۔ اس کی انسانیت کبھی گندہ نہ ہو گی۔

اس لئے شریعت اسلام میں کسی انسان کا (خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم) پس خوردہ ناپاک ہو گا۔ یہ وہی پاسداری ہے اور نفس انسانیت کا احترام ہے ہے ورنہ اگر اس کی ہاتھ لگی خشک یا تر چیز یا اس کا پس خوردہ نجس و ناپاک اور واجب الاحتراز بن جاتے تو درحقیقت اس کے اصلی جوہر کی ناپاکی اور انسانیت کے گندہ ہونے کا دعویٰ ہو گا جس سے پھر کوئی انسان بھی پاک نہیں ٹھہر سکتا حالانکہ یہ دنیا کی اقوام کے اجماع کے خلاف ہے کوئی قوم بھی علی الاطلاق تمام انسانوں کو ناپاک نہیں ٹھہرا سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے حائضہ کو چھو دینے یا اس کا پس خوردہ استعمال کرنے سے یا اس کے ساتھ مل کر کھانے پینے کو ممنوع نہیں ٹھہرایا۔ کیونکہ اس کی یہ ناپاکی حکمی ناپاکی ہے۔ جو عبادات خاصہ کی حد تک موثر ہوتی ہے عورت کو نجس العین نہیں بنا دیتی کہ اس کے سایہ سے بھی فرار اختیار کیا جاتے۔ یا جاہل عربوں اور یہودیوں کی طرح اس زمانہ میں اس کی جگہ کھانا پینا سب الگ تھلگ کر دیا جاتے اور اسے ایک اچھوت کی حیثیت سے پہلے انسانوں سے کاٹ دیا جاتے کیونکہ یہ براہ راست انسانیت کی توہین ہے۔

ظاہر ہے کہ جو مذہب اور مسلک اپنے ابتدائی اقوام عالم کو بلحاظ جوہر پاک بتلاتے سب کو یک جوہر کہے سب میں برادری اور اخوت کا رشتہ ثابت کرے سب میں سے مصنوعی اونچ نیچ ختم کر کے ان میں یکسانی اور برابری ثابت کرے ان میں چھوت چھات مٹا کر باہمی میل جول اور معاملات کے راستے ہموار کرے۔ وہ اقوام عالم کو ملانے والا کہا جاتے گا یا ان میں فرقہ واریت اور کشیدگیاں پیدا کرنے والا سمجھا جاتے گا اور آیا وہ سب کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکتا ہے یا وہ جو ان میں چھوت چھات اونچ نیچ اور تفاوت جوہر کا قائل ہو؟

پس جب بھی دنیا بین الاقوامیت کی طرف آئے گی اور جب بھی وہ عالمی رشتہ اور عالمی یگانگت کا نصب العین لے کر کھڑی ہو گی تو اس کے لئے چارہ کار نہ ہو گا کہ وہ اسلام کے اس اصولی یک جوہریت اور یک اصلیت کو مانے اور اس کے ذریعہ سے اقوام میں سے نفرت باہمی اور اونچ نیچ کا خاتمہ کرے۔ ورنہ بین الاقوامیت تو بجائے خود ہے۔ ایک قومیت کی سطح بھی ہموار نہیں رہ سکے گی

اور ایک ہی قوم میں اتنے تفرقے اور اتنی نفرتیں ہو جائیں گی کہ ان کا ایک پلیٹ فارم، ایک معبد، ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ میں جمع ہونا محال ہو جائے گا جیسا کہ اس قسم کی تنگ دل اقوام میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ آج ہر تعلیم یافتہ اور سمجھ دار خواہ وہ کسی قوم کا بھی ہو ہمہ گیری اور عالمگیری کی طرف آ رہا ہے اور اس کے لئے ہر نوع کی اونچ نیچ کو ختم کرنے پر آمادہ ہے۔ جو اسلام کی خاص تعلیم ہے اور وہی دنیا میں اس اخوت و مساوات یک اصلی اور یک جوہری کو لے کر آیا تھا۔

اس اونچ نیچ کے خاتمہ پر پھر بھی اگر فرقہ داریت اور باہمی کشیدگی نظر آتی ہے تو وہ مذہبی لائنوں سے آ رہی ہے اور اس لئے ہر ملک کی دنیا مذہبی لائن کو سیاسیات سے ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کا یہ فعل معقول اور لائق تحسین ہے مگر ان ہی مذاہب کی حد تک جو یقیناً ان کشیدگیوں اور صدہا نواع فرقہ داریتوں کی تعلیم دیں یا اس کی ذمہ دار ہوں۔

لیکن جو مذہب بنیادی اور اصولی طور پر مال و دولت، اور رسمی منصب و وقار کے تفرقے مٹانے کے لئے ہی آیا ہو فرقہ داریت ختم کرنے اور رنگ و روپ نسب و نسل، دولت و مال اور رسمی منصب و وقار کے تفرقے مٹانے کے لئے اور اس نے دنیا کے سامنے اصول ہی وہ رکھے ہوں جن کے ہوتے ہوئے فرقہ داریت کے جراثیم پل نہ سکیں تو اس کا کیا قصور ہے کہ اسے بھی ملک و ملت اور ان کے معاملات سے خارج کیا جائے؟ اور اگر آپ اسے خارج بھی کرتے ہیں تو وہ خارج ہوتا کب ہے؟ آپ فرقہ داریت کے مٹانے کے لئے جو اصول بھی اختیار کریں گے وہ اسی کا تو اصول ہو گا اس لئے آپ اس کا انکار کر کے بھی اس کا اقرار کریں گے اور اسے رد کر کے بھی اسے قبول ہی کریں گے۔ اگر آپ اونچ نیچ مٹائیں گے تو آپ نے عقیدۃً یا عملاً اس کی مخالفت کب کی اور اگر آپ اخوت و مساوات کا اصول لا رہے ہیں تو آپ دل و جان سے اسلام کی مخالفت کب کر رہے ہیں سوائے اس کے کہ زبان سے مخالفت کر رہے ہیں جو دل سے الگ ہو کر بول رہی ہے تو اس کا اعتبار کیا ہے کہ وہ لائق توجہ ہو۔ قول محض جس کے ساتھ نہ عقیدہ ہو نہ عمل ہو کب وقعت رکھتا ہے کہ اسے مانا جائے پس آپ اسلام کا نام لینے سے تو ڈرتے ہیں لیکن اس کا کام کرنے سے اور اس کو ماننے سے نہیں ڈرتے۔ پھر ایسی چیز سے بھاگنے اور ڈرنے سے کیا حاصل ہے جو آپ کا پیچھا نہ چھوڑے اور آپ کہیں بھی بھاگ کر جائیں وہ آپ کا پیچھا کرے اور وہیں جا پکڑے پس کیا اچھا ہو کہ آپ زبان سے بھی اس چیز کے نام سے ڈرنا چھوڑ دیں جو آپ کے دلوں اور روحوں میں گھس چکی ہیں۔

قانونی مساوات

انسانوں میں انسانیت کی یگانگت اور یک جہتی کے بعد اگر تفرقہ پھیل سکتا ہے تو وہ قانونی تفاوت سے کہ ایک قوم کے افراد کو مثلاً ایک عبادت گاہ میں برابری کے ساتھ جمع ہونے کا حق نہ ہو قومی قانون کی کتاب کو یکساں سب کو پڑھنے کا حق نہ ہو۔ یکساں سننے کا حق نہ ہو۔ عبادت گاہیں مخصوص خاندانوں کا حق قرار دے دی جائیں، تعلیم گاہیں مخصوص خاندانوں کی ملکیت ہوں۔ علم مخصوص قبائل کا ورثہ ہو جس سے ہر ایک کو مساویانہ انداز سے استفادہ کا حق نہ ہو دسترخوان اور اس کے ظروف عوام و خواص کو یکجا نہ کر سکیں کچھ آئینی طور پر شدھ ہوں اور کچھ قانوناً نیچ ہوں تو یقیناً ایسی قوم تفرقہ کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی زمانۂ جاہلیت میں مشرکین عرب میں جہاں نسلی اور نسبی امتیازات تھے وہیں عباداتی امتیازات بھی تھے حج کے موقع پر عام لوگ تو عرفات میں وقوف اور قیام کرتے تھے لیکن اشرافِ عرب کا رتبہ اس سے بالاتر تھا وہ صرف منیٰ تک پہنچ کر رک جاتے تھے اور ان کی امتیازی شان عوام الناس کی برابری یا ان کے دوش بدوش عبادت گذاری برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ گویا قانونِ مذہب ہی نے ان کو امتیازی حق دے کر ہمیشہ کے لئے عبادت کے دائرہ میں انہیں اونچ اور دوسروں کو نیچ بنا دیا تھا یا جیسے نصاریٰ کے یہاں پاپائیت کے اقتدار نے دور میں حدود و قصاص اور تعزیرات چھوٹے لوگوں پر جاری کی جاتی تھیں لیکن بڑے لوگ قانون کی گرفت سے مستثنیٰ تھے گویا وہ قانون کی رو سے اونچ تھے اور دوسرے نیچ۔ کسی قوم میں ایک طبقہ روپیہ کمانے کے لئے مخصوص تھا اور ایک طبقہ اس سے محروم ہو کر ذلیل خدمات کے لئے وقف تھا۔ گویا ایک خلقۃً سرمایہ دار بننے کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے اور ایک ہمیشہ نادار بننے کے لئے اسی کا نتیجہ تھا کہ ان اقوام میں باہمی تفرقے ہی نہ تھے۔ باہم شدید نفرت تھی ظلم و تحقیر کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور حرب و ضرب باہمی کے جراثیم رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھے جس سے ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے کسی وقت بھی مامون اور مطمئن نہ رہ سکتا تھا۔ ایک طبقہ کی زندگی اجیرن تھی گویا وہ پیدا ہی اس پستی و دناءت کے لئے کیا گیا ہے اور ایک طبقہ مگن اور مطمئن تھا گویا وہ مخلوق ہی طمانیت اور بشاشت کے لئے ہوتی ہے۔

اسلام نے اس فرقہ داریت کو بھی نیست و نابود کرنے کا پیغام دنیا کو دیا جو قانونی اونچ نیچ سے پیدا ہوتی تھی مثلاً اس نے کہا کہ علم کسی ایک خاندان کی میراث نہیں بلکہ بلا تفریق خاندان و نسل ضروریاتِ دین کی حد تک علم کا طلب کرنا ہر مسلم و مسلمہ مرد و عورت پر فرض ہے اور زائد از ضرورتِ عام فرض کفایہ، عبادت گاہوں میں محمود و ایاز برابر ہیں صفوفِ عبادت میں صدیق اکبرؓ اور ایک حبشی غلام یکساں ہیں۔ حدود و قصاص اور تعزیرات میں ایک عام عامی آدمی اور سید الرسلؐ کی بیٹی برابر ہیں اگر خدانخواستہ پیغمبر کی بیٹی بھی فعل سرقہ کی مرتکب ہو تو اس کے ہاتھ بھی عوام کی طرح کاٹے جانے ضروری ہیں، حج میں دو کپڑے کا احرام شاہ گدا کے لئے برابر ہے خواہ ایک عامی ہو یا سلطان ابن سعود ہو۔ دونوں کے لئے عرفات جانا بھی ناگزیر ہے اور ایک ہی نوع کے احرام میں ملبوس ہو کر وہاں ٹھہرنا بھی لازمی ہے، مالِ غنیمت سے اگر ایک چادر کسی عامی کا حق ہے تو اتنا ہی امیرالمومنین کا بھی حق ہے ورنہ شبہ پر بھی ایک بدوی فاروقِ اعظمؓ پر اعتراض کر سکتا ہے اور امیرالمومنین کو جوابدہی لازم ہے قانونِ اسلام کی نگاہ میں سب کے حقوق برابر ہیں بہر حال فرقہ داریت اور قومی تفریق کی ایک بنیاد نسبی اور نسلی امتیازات تھے تو انہیں بھی اسلام نے ختم کر دیا اور ایک دوسری جڑ قانونی امتیازات تھے ان کی بھی بیخ کنی کر دی۔ آیت عنوان کے پہلے جملے اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ ... اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (تم میں بڑا وہ ہے جو خدا کے نزدیک پارسا ہو) سے قانونی امتیازات کو ختم کر دیا جس کے معنی مساوات کے ہیں یعنی جو اس قانون تقویٰ و دین پر زیادہ چلے گا وہی عنداللہ بڑا ہو گا جو اس سے ہٹا رہے گا وہ ذلیل رہے گا جس کا حاصل سب پر قانون کی یکساں پابندی اور سب پر قانون کا یکساں حکمران ہونا نکلتا ہے۔ پس نسبی تفوق اخوت سے ختم ہو جاتا ہے اور قانونی تفوق مساوات سے جاتا رہتا ہے اور اخوت و مساوات انسانی اسلام ہی کا خاص اصول ہے۔

کو یہودی ریاست کا دار الحکومت بنانے کی سازش

فاتح بیت المقدس حضرت فاروق اعظمؓ نے مسلمانوں کو اس شہر کا جائز وارث قرار دیا تھا

تحریر: اقبال احمد صدیقی

بیت المقدس کو صیہونی غاصب حکومت کا صدر مقام بنانے کی کوشش روئے زمین کے ہر مسلمان کی غیرت ملی کے لئے کھلا چیلنج ہے بیت المقدس جہاں مسجد اقصیٰ ہے گنبد صخرہ ہے۔ اور جہاں ارشاد رسولﷺ کے مطابق ایک نماز کی ادائیگی پچاس ہزاروں کے برابر ہے۔ آج اس کی اسلامی شان و شوکت اور حرمت خطرے میں ہے۔

وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر کرٹ والڈہیم کے حالیہ بیان پر انہوں نے اسرائیل میں دیا تھا۔ ۴ ستمبر ۱۹۷۳ء کو کوئٹہ میں تبصرہ کرتے ہوئے پاکستانی قوم کی جانب سے شدید تعجب اور غم و غصہ کا اظہار کیا۔ سیکرٹری جنرل نے بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت بنانے کے جس قدیم صیہونی منصوبے کی حمایت کی ہے۔ انہوں نے اس کے بارے میں حکومت کا موقف نہایت واشگاف الفاظ میں بیان کیا۔ وزیر اعظم نے کہا:۔

"اگر یہ بات نادانستہ طور پر کہی گئی ہو جب بھی ایک ذمہ دار اور اہم شخصیت کی جانب سے انتہائی تعجب خیز ہے۔ ہماری یہ تشویش حق بجانب ہے۔ چونکہ اس مقدس شہر کی حیثیت کے بارے میں سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی دونوں اسرائیل سے یہ مطالبہ کر چکی ہیں کہ اس کی سابقہ حیثیت کو ہرگز تبدیل نہ کیا جائے پاکستان اقوام متحدہ کے ذریعہ ہماری حکومت کے مضبوط اتحاد پر یقین رکھتا ہے۔ اس لئے ہماری حکومت کا ڈاکٹر کرٹ والڈہیم کے اس سخت ریمارک پر پریشان ہونا قدرتی امر ہے۔"

پاکستان نے حالیہ الجزائر کانفرنس میں بیت المقدس کے مسئلے پر اختیار کی جانے والی سرد مہری کی بھی برونت گرفت محسوس کی ہے اور عربوں کے مشترکہ موقف کی کمی کو شدت سے کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بیت المقدس ارض مقدس فلسطین کا اہم ترین تاریخی مقام ہے اور مسلمانوں کے علاوہ عیسائیوں کے لئے بھی اس کا مقام و مرتبہ نہایت بلند اور قابل احترام ہے۔ یہی وہ شہر ہے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت ہونے کا فخر حاصل ہے یہیں یہودیوں کے ہاتھوں وہ مصلوب ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے دو ہزار آٹھ برس قبل مسیح یہاں تشریف لائے ان کی جائے قیام "الخلیل" کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو انہوں نے اسی وادی سے وادی فاران میں پہنچایا۔ اسی ارض مقدس کا شہر "جرون" ان کی آخری آرام گاہ ہے۔ اسی سرزمین کو حضرت یعقوب علیہ السلام اور علاقہ کنعان کی نسبت حاصل ہے

بیت المقدس "شہر داؤد و سلیمان" بھی کہلایا۔ بنی اسرائیل وادی نیل سے وادی سینا فلسطین میں داخل ہونے کے بعد یہیں، معتوب خداوندی ہو کر چالیس برس تک وادی تیہ میں بھٹکتے رہے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی نافرمان اور سرکش قوم کو مصر سے نکال کر یہیں لائے تھے۔ لیکن بنی اسرائیل نے خدا کا شکر ادا نہ کیا۔ اور وادی تیہ میں بھٹک کر لاکھوں یہودی ہلاک ہو گئے بہر حال محراب داؤد، حضرت عیسیٰ کی صلیب گاہ کلیسائے قیامت صخرہ یعقوبؑ، ہیکل سلیمانی، دیوار گریہ، مسلمانوں کا قبلہ اوّل معراج نبویﷺ کی منزل اوّل اور شہر اسلام ہونے کی بہت سی تاریخی خصوصیات اور مذہبی تقدس کی بنیادیں بیت المقدس یا یروشلم سے وابستہ ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج سے واپسی پر فرمایا:۔

"معراج کی شب میرے پاس براق لایا گیا سفید رنگ کا خچر سے چھوٹا، اس کا قدم حدِ نظر تک تیرتا تھا میں براق پر سوار ہوا اور بیت المقدس میں آیا براق کو میں نے اس زنجیر سے باندھا جس سے انبیاء اس کو باندھا کرتے تھے پھر میں مسجد میں گیا۔ دو رکعت نماز مسجد میں پڑھی پھر میں مسجد سے باہر آیا اور جبریلؑ میرے پاس دو برتنوں میں شراب اور دودھ علیحدہ علیحدہ لے کر آئے میں نے دودھ لے لیا جبریلؑ نے کہا آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔" (بحوالہ مسلم شریف)

چونکہ مسجد اقصیٰ میں انبیائے سابقین نے حضورﷺ کی امامت میں نماز ادا کی اس لئے ۱۵ھ ہجری میں فتح بیت المقدس کے بعد خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واضح طور پر یہ اعلان کیا تھا کہ:۔

"اس شہر کے ہم مالک ہیں اور ہم حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کی اُمتوں یہود و نصاریٰ کے مقابلے پر اس کے بہتر وارث ہیں۔"

بلاشبہ خانہ کعبہ اور گنبد خضراء کے بعد قبۃ الصخرہ روئے زمین پر مسلمانوں کے لئے تقدس اور احترام کا سب سے اہم مقام ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا:۔

"صرف تین مسجدوں کی زیارت کے لئے (ثواب حاصل کرنے کی غرض سے) رخت سفر باندھنا چاہیئے۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔"

سید الشہداء حضرت امام حسینؓ کا قول قرب قیامت کے آثار و قرائن کے بارے میں لائق فکر و توجہ ہے فرماتے ہیں!

"مؤذن قریب سے اذان دے گا یعنی اس جگہ سے جہاں سے سب سن سکیں امام حسینؓ فرماتے ہیں کہ اس مقام قریب سے بیت المقدس مراد ہے۔"

یہی وہ مقام ہے جہاں یوم حشر میں تمام بنی آدم دوبارہ زندہ ہو کر جمع ہوں گے۔ نامہ اعمال پیش ہوں گے بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں جلوہ گر ہو گا۔ اور نیکی بدی کے اعمال کے مطابق منصف حقیقی اپنے فیصلے صادر کرے گا۔ ایک اور روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ صخرہ بیت المقدس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ جو تجھے محبوب رکھتا ہے میں اس کو محبوب رکھوں گا جو تجھ سے محبت کرتا ہے میں اس سے محبت کروں گا۔ اور جو تجھ سے نفرت کرے گا میں اُسے دھتکار دوں گا جو کوئی تجھ میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کرے گا میں اس کے تمام گناہ بخش کر ماں کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کی طرح معصوم بنا دوں گا بشرطیکہ آئندہ کی معصیت سے تائب ہو جائے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ الواح میں خداوند ذوالجلال بیت المقدس کے صخرہ سے فرماتا ہے کہ تو میرا عرش ہے تو میرے قریب ہے۔ میں نے آسمانوں کو تیری جڑ سے اٹھایا اور زمین کو تیرے نیچے بچھایا۔ تمام دور افتادہ مشکل اور دشوار گزار پہاڑ تیرے نیچے ہیں جو تیرے اندر مرادوہ گویا آسمانی دنیا میں مرا۔ دن اور رات کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہو گا جب تک میں تجھ پر آسمانی روشنی نہیں بھیجوں گا۔ اور میں تجھے دھودوں گا یہاں تک کہ دودھ کی طرح سفید ہو جائے گا جو روشنی تجھ پر ڈالوں گا وہ بنی نوع انسان میں سے کافروں اور ان کے نقش پا مٹا دے گی۔"

(تاریخ بیت المقدس صفحہ ۱۵۵)

علامہ سیوطی رقمطراز ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ روز قیامت صخرہ کو سفید مونگے کا بنا کر اور اسے وسیع کر کے زمین و آسمان میں پھیلا دے گا۔ پھر لوگ اس صخرہ پر سے جنت یا دوزخ میں جائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ زمین کسی اور طرح کی زمین میں بدل جائیگی آسمان سفید ہو جائیں گے۔ مٹی چاندی بن جائے گی اور اس پر کسی قسم کی آلودگی نہ رہے گی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ زمین کوئی اور زمین بن جائے گی اور یہ آسمان بدل جائے گا تو خلقت اس روز کہاں ہو گی۔ آنحضرتﷺ نے جواب دیا کہ پل صراط پر گویا قیامت کے روز صخرہ پل صراط کا کام دے گا۔"

یہ بھی روایت ہے کہ صخرہ معلق ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی سہارا نہیں ہے شب معراج کو اس کے مغربی گوشے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے یہ گوشہ آپکی تعظیم

سے کانپنے لگا اور دوسرے گوشے پر فرشتوں کی انگلیوں کے نشان ہیں جنہوں نے اس لرزنے سے باز رکھا تھا۔ صخرہ مسلمانوں کا قبلہ اوّل ہے آنحضرت ؐ ہجرت کے بعد بھی تقریباً ڈیڑھ سال تک اسی صخرہ کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد مسجد بنی سلمہ میں نماز عصر ادا کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت ؐ پر وحی نازل ہوئی، اے محمد! اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو" اسی نسبت سے مسجد سلمہ "مسجد قبلتین" کے نام سے مشہور ہوئی"۔

جہاں تک مسجد اقصیٰ کی تاریخی عظمت و شوکت کا تعلق ہے۔ مشکوٰۃ اور ابن ماجہ شریف میں حضور سرور کائنات کی یہ حدیث قدسی مرقوم ہے!

"آدمی کی اپنے گھر میں نماز تو ایک نماز ہے اور محلہ کی مسجد کی ۲۵ نمازوں کے برابر ہے اور جامع مسجد کی نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز ۲۵ ہزار اور بعض روایات کے مطابق پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں ایک نماز پچاس ہزاروں کے برابر ہے اور مسجد حرام کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔"

بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے بارے میں علامہ جمال الدین سیوطی نے تفسیر جلالین میں بڑی تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ یہ انتہائی واجب احترام مقامات مقدسہ کا شہر ہے یہاں خداوند تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ روئے زمین کے ہر ذی روح کو ان کا تابع بنایا۔ حضرت داؤدؑ کو مسجد اقصیٰ کا نقشہ دکھایا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج پورے کرۂ ارض پر کفر و ضلالت کی تاریکیاں پھیلائیں گے۔ سوائے بیت المقدس کے یہی وہ مقام ہوگا۔ جہاں رب العالمین اس کو صفحۂ ہستی سے مٹائے گا۔ اسی مقدس مقام پر حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام دفن ہیں مسلمان جن انبیاء اور مرسلین پر ایمان و عقیدہ رکھتے ہیں۔ بیت المقدس ان کا مولد ہے یا مسکن، مدفن ہے یا منزل قیام یہی ان کا قبلہ اوّل ہے یہی حضور رسالتمآب کے سفر معراج کی منزل اوّلین ہے۔

۶۳۶ء میں حضرت عمر فاروق رضؓ کے فاتحانہ داخلے کے بعد بیت المقدس شہر اسلام کہلایا۔ اگرچہ وہ تاریخ میں SALIM 'URI 'SHELIM JEREH (JEBUS) ایلیا کاپی تولی نا CITY OF PEACE "GOLDEN CITY" یروشلم اور البلاط، کے ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے لیکن حضرت عمر فاروق رضؓ سے لے کر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ تک اس شہر نے اسلامی تاریخ کے اتنے درخشاں دور دیکھے ہیں جن کی گواہی ارض مقدس کا ایک ایک ذرہ آج بھی دے رہا ہے۔ مسلمانوں کی اس شہر سے والہانہ شیفتگی اور روحانی وابستگی ایک فطری حقیقت اور اٹل امر واقعہ ہے۔ جسے اسرائیل کے جارحانہ منصوبے آسانی سے بدل نہیں سکتے۔

۱۰۹۶ء میں تیرہ لاکھ عیسائیوں کا جوش و غضب میں ڈوبا ہوا جم غفیر، ایک مسلح لشکر عظیم سیلاب بن کر فتح بیت المقدس کا متحدہ مقصد لئے اس شہر پر ٹوٹ پڑا۔ PETER THE HARMET نامی راہب کی سرکردگی میں گھمسان کا رن پڑا۔ فاطمی خلیفہ مستعلی کی غداری نے لشکر اسلام کی قوت مدافعت کو اس طرح منتشر کیا کہ ۱۵ر جولائی ۱۰۹۹ء کو عیسائی لشکر بیت المقدس میں داخل ہو گیا۔ مسلمانوں کا زبردست قتل عام ہوا۔ بچوں اور بوڑھوں تک کو ذبح کر دیا گیا۔ حاملہ مسلمان عورتوں کے پیٹ چاک کر دیئے گئے۔ علمائے کرام کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا مسجد اقصیٰ اور محراب داؤد میں کم از کم سات ہزار شہیدوں کی لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کا اتنا خون بہایا گیا کہ صلیبی حملہ آوروں کے گھوڑے انسانی خون میں گھٹنوں تک ڈوب گئے مسجد عمرؓ کے صحن میں انسانی خون میں تیرتی ہوئی شہیدوں کی لاشوں کا ذکر عینی شاہد "ریمانڈ دا اژیل" نے بھی کیا ہے۔

تقریباً ایک صدی بعد ہی ۱۱۸۷ء میں سلطان نورالدین کا عم زاد سلطان صلاح الدین ایوبیؒ بیت المقدس میں مسلمانوں کی نسل کشی اور بحیرہ قلزم میں صیہونی اور نصرانی سازشوں کے بڑھتے ہوئے عمل دخل کے خلاف قہر الٰہی بن کر اٹھا مجاہدین کا لشکر جرار لے کر آندھی کی طرح آگے بڑھا اور قیامت بن کر عیسائی فوجوں پر ٹوٹا۔ حتیٰ کہ ۳ر جولائی ۱۱۸۷ء کی شام کو فتح و نصرت کے اسلامی پرچم لہراتا ہوا بیت المقدس میں داخل ہو گیا۔ عیسائی بادشاہ، اور ملکہ گرفتار ہوئے کفار کی لاشوں کے یوں انبار لگے جیسے کھیتوں میں گندم کے کھلیان۔ سلطان نے دشمنان اسلام کو اپنے ہاتھ سے واصل جہنم کیا اور مفتوحہ آبادی کو انصاف اور مذہبی آزادی کی ضمانت دے کر اسلامی حکومت کا آغاز کیا۔

ایسے کتنے ہی معرکہ حق و باطل بیت المقدس کی تقدیر بنتے رہے ہیں۔ لیکن ۱۹۶۷ء کی جنگی فتوحات نے غاصب یہودیوں کو اتنا بدمست اور انتقامی ہذیان میں مبتلا کر دیا ہے کہ وہ اسرائیلی مملکت کو دریائے نیل کے اس کنارے اور وادی نجد و حجاز سے عراق کی آخری سرحدوں تک وسیع کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ مسلمانانِ عالم کو چیلنج دے رہے ہیں کہ ان کے قبلہ اوّل بیت المقدس کو تل ابیب کی بجائے اپنی غاصبانہ مملکت کا دارالحکومت بنائیں گے۔

لیبر پارٹی کے سربراہ ڈاکٹر عاری الکحان نے ۱۳ر مارچ ۱۹۵۲ء کو کہا تھا کہ "عظیم تر اسرائیل عراق سے سوئز تک پھیلا ہوا ہے۔" اسرائیلی پارلیمنٹ پر یہ الفاظ کندہ کئے گئے "اے اسرائیل، تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں"۔ اسرائیلی وزیر اعظم اشکول نے ۱۹۶۷ء کی کامیابی کے فوراً بعد کہا تھا۔ یروشلم کے بغیر اسرائیل ایسا ہی ہے جیسے سر کے بغیر آدمی۔ سلطنت عثمانیہ کے فرمانروا عبدالحمید نے صیہونی راہنما ڈاکٹر ہرزل اور برطانوی ثالث لارنس اولی فنٹ کی پیشکش کا جواب دیتے ہوئے یہ تاریخی فقرہ کہا تھا

"اگر یہودی اپنی ساری دولت بھی میرے قدموں
میں لا ڈالیں تب بھی میں فلسطین میں مسلمانوں کی
ایک ایک انچ زمین یہودیوں کو دینے کا روادار نہیں"

اسرائیل کی جانب سے بیت المقدس کو مستقل دارالحکومت بنانے کی تجویز آج روئے زمین پر آباد تمام مسلمانوں کی غیرت کے لئے چیلنج ہے۔ کیا ہم سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے سے آہنی عزم و حوصلے، سلطان عبدالحمید کی خودداری اور ملت مسلمہ کے کُل اتحاد کو اختیار کر کے دشمنوں کے ناپاک عزائم کو ناکام نہیں بنا سکتے۔ اسلامی تاریخ دم بخود ہو کر ہمارے ضمیر سے یہ سوال کر رہی ہے کیا مسلمانوں کی موجودہ ستر کروڑ آبادی پر مشتمل جدید نسل میں کوئی خالد بن ولید، عمرو بن عاص طارق بن زیاد، عبدالرحمٰن الداخل، یوسف بن تاشفین، صلاح الدین ایوبیؒ، محمد بن قاسم اور محمود غزنوی موجود نہیں ہے۔ جو پرچم اسلام کو ارض مقدس پر گمشدہ شان و شوکت کے ساتھ دوبارہ لہرا دے۔

اطمینانِ قلب

آج کا انسان اطمینانِ قلب کی دولت سے محروم ہو چکا ہے۔ سوائے چند ایک خوش نصیب انسانوں کے یہ دولت سب سے چھن چکی ہے۔ آج ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ سکون تب نصیب ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس بہت ساری دولت ہو، کار ہو، کوٹھی ہو، نوکر چاکر ہوں، کسی حد تک یہ چیزیں باعث اطمینان ہیں۔ لیکن حقیقی قلبی سکون کی دولت ان چیزوں سے ہرگز ہرگز میسر نہ ہو گی۔ آج کوئی مارفیے کے ٹیکے لگوا کر، کوئی شراب پی کر ہر وقت مست ہو کر کوئی چرس کے کش پر کش لگا کر سکون کی تلاش میں ہے لیکن یہ سب چیزیں سکون کی دشمن اور تباہی و ہلاکت کا راستہ ہیں۔

خبردار ہو جائیے اور خوب یاد رکھیے "دلوں کو اطمینان صرف اور صرف اللہ کی یاد سے نصیب ہوتا ہے"۔ اللہ کا خوب ذکر کریں۔ کوئی سا کریں۔ سبحان اللہ، اللہ اکبر، الحمد للہ، استغفر اللہ، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کریں۔ درود شریف پڑھیں، قرآن مجید پڑھیں۔ یہ سب اذکار ہیں۔ صرف "اللہ" کا نام لینے سے سکون میسر آتا ہے۔

دعائیں بکثرت کیجیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے۔ دعا بڑی عبادت ہے۔ اللہ کے نزدیک دعا کی بہت قدر و منزلت ہے۔ اگر آپ روزانہ دعا کو اپنا وظیفہ بنا لیں تو آپ کی دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔

محمد سلیم۔ جہلم شہر

قحط الرّجال

حضرت مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ یَقْبِضُ الصَّالِحُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلُ وَ سَتَبْقٰی غِسَالَۃٌ کَغِسَالَۃِ التَّمْرِ۔ یکے بعد دیگرے صلحاء کی وفات ہوتی جائے گی۔ اور پھر ایسا وقت آ جائے گا کہ بالکل بے کار نکمے اور بیہودہ لوگ رہ جائیں گے جن کو دین کے ساتھ کوئی لگاؤ اور پیار نہ ہو گا۔ ایسے نکمے اور بیکار ہوں گے جیسا کہ خشک اور گلی سڑی پرانی کھجور کے چھلکے۔ (استیعاب صفحہ ۱۳۸ ج ۳۔ انوار الصحابہؓ صفحہ ۶۳)

ادارہ خدام الدین لاہور کی ایک تاریخی پیشکش

داستانِ حیات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مدنی نمبر — ایک جھلک

لکھنے والے

- علامہ قاری محمد طیب
- مولانا محمد یوسف دہلوی
- مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
- قاضی زین العابدین میرٹھی
- مولانا ابو الحسن علی ندوی
- مولانا محمد منظور نعمانی
- مولانا نجم الدین اصلاحی
- ڈاکٹر محمد اشرف
- قاضی سجاد حسین
- مولانا سید محمد میاں
- مولانا سید مفتی مہدی حسن
- مولانا سید انظر شاہ کاشمیری
- مولانا محمد قاسم بجنوری
- مولانا عبد الحمید اعظمی
- مولانا عزیز الحسن صدیقی
- مولانا سید فخر الحسن
- مولانا محمد ادریس قاسمی
- علامہ انور صابری
- ایم ایم جلالی
- سیتا رام جی سوکل
- علامہ محمد یوسف بنوری
- مولانا غلام غوث ہزاروی
- مولانا محمد وارث کامل
- پروفیسر یوسف سلیم چشتی
- علامہ طالوت
- مولانا سید حامد میاں
- مولانا قاضی مظہر حسین
- مولانا مشرف احمد
- پروفیسر محمد سرور
- مولانا حبیب اللہ گلگت
- مولانا عزیز الرحمٰن اکوڑہ خٹک
- مولانا سمیع الحق
- مولانا تاج محمود
- مولانا محمد اسلم سیف فیروزپوری
- حمید اصغر نجید
- فانی مراد آبادی
- بلال زبیری
- زکریا اسعدی
- آزاد شیرازی
- عمر الدین شاد
- نور محمد انور
- سید امین گیلانی
- عبد الرحمٰن لدھیانوی
- مولانا قاری فیوض الرحمٰن
- مولانا عبد الرشید الضاری

کتابت
آخری مراحل میں

زیر ادارت: مجاہد الحسینی

مطلوبہ تعداد
دفتر کو جلد مطلع کیجئے

ملک کی ممتاز مذہبی و روحانی شخصیات
سے مدنی نمبر ——— کے لئے خصوصی انٹرویوز
مدنی نمبر ——— ایک ضخیم تاریخی دستاویز

ناظم شعبہ اشاعت ہفت روزہ خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

غبارِ خاطر

پنجاب کی وہ رونق و رعنائی اب کہاں
پنجاب کی تباہی و بربادی الاماں

کھیتی اُجڑ گئی ہے زمیں بانجھ ہو گئی
ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں شہروں کا کچھ نشاں

سہمے ہوئے ہیں لوگ نگاہوں میں خوف ہے
معدوم دل کی دھڑکنیں افکار میں دھوآں

کیسے کٹے گی زندگی کی یہ طویل راہ
منزل کٹھن ہے حوصلہ و عزم ناتواں

راہی بھٹک گئے، جرس خاموش ہو گئے
منزل سے دور رہ گیا ہے میرِ کارواں

اے خالق ارض و سما تُو ہم پہ رحم کر
ہم تیرے نام لیوا ہیں، کعبے کے پاسباں

حلقہ بگوش حضرتِ ختم رسُلؐ ہیں ہم
نظروں میں ہیچ سارے یہ ربوہ و قادیاں

خاطر میں کیسے لائیں کسی بوالہوس کو ہم
روزِ ازل سے سطوتِ احمدؐ کے رازداں

جاں دی ہے راہِ ختم نبوتؐ میں بے دریغ
دہرائی ہم نے دہر میں اکثر یہ داستاں

سینہ سپر یزیدیوں کے روبرو رہے
لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں

ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

منصور فاطمی

مولوی سردار محمدؒ کا انتقال

یہ خبر تمام علمی اور ادبی حلقوں میں صدمے کے ساتھ سنی جائے گی کہ مولوی سردار محمد (نفیس پریس لائل پور) طویل علالت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم مولوی سردار محمد اور نفیس پریس لائلپور کے پرنٹر مولوی مظفر حسین کے برادرانہ تعلقات تھے۔ اور اسے دونوں نے تا زیست نبھایا۔

مولوی مظفر حسین نے علاج معالجے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لاہور اور لائلپور کے کئی ہسپتالوں میں زیر علاج رہنے کے بعد آخر کار داغ مفارقت دے گئے۔ مرحوم بڑے نیک اور ہر دلعزیز نوجوان تھے۔ اور ان کے اخلاق کے سب گرویدہ!

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ اور پسماندگان کو صبر و تحمل عطا کرے۔

قارئینِ ماہنامہ تبصرہ سے

ہمیں افسوس ہے کہ سیلاب کے باعث ریلوے کا نظام کراچی سے لاہور تک ہنوز درست نہیں ہو سکا۔ جس کے باعث کاغذ کے لاہور پہنچنے میں دیر ہوئی۔ بدیں وجہ ماہنامہ تبصرہ کو ہزار کوشش کے باوجود بازار سے کاغذ میسر نہ آسکا۔ تاہم ماہ رواں کا تبصرہ شائع ہوگا۔ لیکن اکتوبر کا شمارہ شائع نہ ہوگا اور نومبر کا شمارہ "حج نمبر" ہوگا۔ قارئین و ایجنٹ حضرات مطلع رہیں۔

(ادارہ)

گزشتہ شمارہ کا ایک مضمون

خدام الدین کے گزشتہ شمارہ ۱۷ میں "سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا جادو" کے زیر عنوان ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جسے معاصر روزنامہ نئی روشنی کراچی نے ۲۳ جولائی ۱۹۷۳ء میں مضمون نگار کا نام تحریر کیے بغیر شائع کیا ہے۔ اسے ادارہ نے ترمیم کے ساتھ شریک اشاعت کیا ہے۔ مضمون کے آخر میں حوالہ درج کرنے پر ادارہ معذرت خواہ ہے۔ معلوم ہوا ہے یہ مضمون آغا شورش صاحب کا ہے۔ قارئین تصحیح فرمالیں۔

(ادارہ)

غیر اسلامی رسوم و رواج خود انسان کیلئے باعث زحمت ہیں

اسلام دینِ فطرت ہے اور دینِ فطرت وہ ہوتا ہے جو انسانوں کے مزاج کے مطابق ہو۔ اسلام کی تعلیمات پر غور کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی کہ اس میں غیر معمولی پابندیاں ناقابلِ برداشت بوجھ یا کوئی ایسی بات نہیں جو انسانی فطرت و مزاج کے خلاف ہو۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کی زندگی کا کوئی گوشہ قرآن و سنت کی رہنمائی سے محروم نہیں ہے اسلامی معاشرے کی یہی امتیازی حیثیت اس کو دوسرے معاشروں سے ممتاز کرتی ہے اور اس کے عقائد، عبادات معاملات اور اخلاق نیز اجتماعی اور انفرادی زندگی کے سارے معاملات دین کی ہدایت کے ماتحت انجام دیئے جاتے ہیں۔

عملی زندگی اور نظام

اسلام نے زندگی کا پورا نقشہ اور معمولات زندگی کا ایک پورا خاکہ پیش کر دیا ہے۔ جو نہایت سہل و سادہ بھی ہے اور عزت و قرار کا ضامن بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عملی زندگی میں دین نہایت آسان ہے پھر اس امت مسلمہ کے ذمہ جو فرائض عائد کئے گئے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان کی صراحت موجود ہے کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو، تم نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اس آیت میں معروف سے وہ تمام نیکیاں مراد ہیں۔ جن سے پرہیز کرنے کا حکم تفصیل کے ساتھ قرآن حکیم اور حدیث میں موجود ہے اس کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کو قرآن حکیم نے ملت اسلامیہ کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے اس طرح اسلامی زندگی کا پورا نقشہ صاف اور سیدھا ہمارے سامنے ہے اور اسلامی معاشرے کی بنیاد اسی پر اٹھائی گئی ہے۔

پاکیزہ معاشرہ

ایسے پاکیزہ معاشرے میں فضول رسم و رواج اور غیر معقول طرزِ زندگی کی کوئی گنجائش نہیں ایسی ہر روش کو جو قرآن و سنت کے خلاف ہو حدیث میں بدعت اور گمراہی کہا گیا ہے یہاں ان غلط قسم کے رسم و رواج کے داخل ہونے کے اسباب و محرکات پر بحث مقصود نہیں ہے البتہ اس کا اظہار ضروری ہے کہ ان فضول قسم کے رسم و رواج کا اسلام سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض علانیہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ اگر ہم اپنی سماجی زندگی کی تقریبات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم نے اپنے آپ بہت سی پابندیاں عائد کر لی ہیں۔ جن کو ہم ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں شادی اور غمی کی تقریبات میں سماج میں کیا کچھ نہیں ہوتا اور پھر بچے کی پیدائش سے پہلے جو سلسلہ رسم و رواج کا شروع ہوتا ہے تو موت کے بعد تک جاری رہتا ہے۔

سادگی اور لطافت

اسلام نے جس قدر سادگی اور لطافت کا لحاظ رکھا ہے ہم نے اسی قدر دشواری اور غیر سنجیدگی اختیار کر رکھی ہے اکثر رسمیں جھوٹی شان کے مظاہرے کی خاطر انجام دی جاتی ہیں۔ پھر ان فضول رسم رواج میں پانی کی طرح روپیہ بہایا جاتا ہے جس کو قرآن مجید میں اسراف و تبذیر کہا گیا ہے اور ایسے افراد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ شیطان کے بھائی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہے اس کو بے مصرف اور فضول خرچ کرنیوالا شیطان کی طرح اللہ کے احکام کی خلاف ورزی اور نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے سب جانتے ہیں کہ افلاس ایک ایسی لعنت ہے کہ اس سے زندگی کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور اس کا معاشی توازن بگڑ جاتا ہے۔ اسی لئے حضور اکرم صلی علیہ وسلم نے

اسلام نے جس قدر سادگی اور لطافت کا لحاظ رکھا ہے ہم نے اسی قدر دشواری اور غیر سنجیدگی اختیار کر رکھی ہے۔

فرمایا کہ تنگدستی اور افلاس انسان کو کفر کے قریب کر دیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں دنیا و آخرت دونوں جگہ ذلت و رسوائی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

قومی کردار اور صحت مند معاشرہ

یاد رکھئے ہمارا قومی کردار اور صحت مند معاشرہ اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کی تعمیل سے ہی وجود میں آتا ہے اس لئے ہمیں اپنے ہر عمل میں اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ فضول رسم و رواج کو جاری رکھنا ان کی تقلید کرنا یا ان میں ایکدوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنا اللہ سے بغاوت اور اس کی کھلی ہوئی نافرمانی ہے اللہ کی فرمانبرداری کا راستہ یہ ہے کہ ہم بھلائیوں میں ایک دوسرے پر غالب آئیں نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت کریں اور اعمال صالحہ میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کریں چنانچہ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا کہ بھلائیوں میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے رہو تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ پس وہ تم کو خبر کر دے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ اسلام نے جہاں فضول رسموں کی اور سماجی برائیوں کی مذمت کی ہے وہیں ان کے روک تھام کے طریقوں کی طرف بھی رہنمائی کی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور

ایک قابل عمل اور آسان معاشرتی نظام

برائی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ برائی کو روکنے میں اپنی پوری کوشش صرف کر دیں۔ اور خود بھی ایسی برائیوں کے پاس نہ پھٹکیں جو معاشرے پر بدنما داغ بن جاتی ہیں۔

اسلامی معاشرے میں پیدا ہونے والی ہر برائی کو روکنے کے لئے حدیث شریف میں یہ تدبیر بتائی گئی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اگر کسی برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے یعنی قوت سے روک دینا چاہئے۔ اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کو برا کہنا چاہئے اور اگر اس کی سکت بھی نہ ہو تو آخری مرتبہ یہ ہے کہ اس کو دل سے برا سمجھنا چاہئے اور یہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہے

اس کے علاوہ یہ کام بھی کرنے کا ہے کہ فضول اور غیر اسلامی رسم و رواج کی ایک فہرست تیار کر لی جائے اور شفقت اور خیر خواہی کے انداز میں عوام سے ان کو ترک کرنے کی اپیل کی جائے۔

اس طرح ہم دنیا و آخرت میں کامیابی اور سرفرازی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

بقیہ: خطبہ جمعہ

بنیادی حقوق بحال کرانے کے لئے جدوجہد کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مہنگائی بے روزگاری اور ظلم و استحصال کے سیاہ دور سے آج پاکستانی عوام گذر رہے ہیں۔ اس سے قبل انہیں کبھی ایسی صورت حال سے واسطہ نہ پڑا تھا۔ اس لئے لوگوں کو اپنے حقوق حاصل کرنے کی ترغیب دینے اور برسر اقتدار طبقہ کی زیادتیوں کے خلاف احتجاج کرنے والے حق بجانب اور ملک و ملت کے صحیح اور سچے خیر خواہ ہیں۔

موجودہ حکومت کو جبر و تشدد کی سیاست چھوڑ دینی چاہئے۔ اور سابقہ حکومتوں کی آمرانہ اور ظالمانہ روش پر نہیں چلنا چاہئے ورنہ عوام پہلے کی طرح پھر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جن لوگوں پر تشدد ہو رہا ہے اور انہوں نے ملک و ملت کی خاطر تکالیف اور دکھ سہے ہیں۔ میں انہیں سلام کرتا ہوں اور ہم سب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صبر اور استقامت علی الحق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ...

رئیس ادارہ
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

ایڈیٹر
مجاہد الحسینی

• دینی قدروں کا علمبردار
• باطل کے خلاف مصروف جہاد
• پاکستان کا عظیم مذہبی جریدہ

بانی
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے

نقشہ اوقات سحری و افطار رمضان المبارک

۱۳۹۳ھ — ۱۹۷۳ء

برائے شہر لاہور و مضافات

مطابق محکمہ موسمیات حکومت پاکستان

مرتب کردہ: مولوی فقیر محمد صدر انجمن اصلاح نوجوانان اسلام بخاری چوک ۵۶۷ ڈی ٹائپ کالونی، لائلپور

ایام	تاریخ رمضان المبارک	تاریخ شمسی	ختم سحری منٹ	ختم سحری گھنٹہ	وقت افطاری منٹ	وقت افطاری گھنٹہ
ہفتہ	۱	۲۹ ستمبر	۳۱	۴	۵۴	۵
اتوار	۲	۳۰	۳۲	۴	۵۲	۵
پیر	۳	یکم اکتوبر	۳۲	۴	۵۱	۵
منگل	۴	۲	۳۳	۴	۵۰	۵
بدھ	۵	۳	۳۴	۴	۴۹	۵
جمعرات	۶	۴	۳۵	۴	۴۷	۵
جمعہ	۷	۵	۳۶	۴	۴۶	۵
ہفتہ	۸	۶	۳۶	۴	۴۵	۵
اتوار	۹	۷	۳۷	۴	۴۴	۵
پیر	۱۰	۸	۳۸	۴	۴۳	۵
منگل	۱۱	۹	۳۸	۴	۴۱	۵
بدھ	۱۲	۱۰	۳۹	۴	۳۹	۵
جمعرات	۱۳	۱۱	۴۰	۴	۳۸	۵
جمعہ	۱۴	۱۲	۴۰	۴	۳۷	۵
ہفتہ	۱۵	۱۳	۴۱	۴	۳۵	۵
اتوار	۱۶	۱۴	۴۲	۴	۳۴	۵
پیر	۱۷	۱۵	۴۲	۴	۳۳	۵
منگل	۱۸	۱۶	۴۳	۴	۳۲	۵
بدھ	۱۹	۱۷	۴۳	۴	۳۲	۵
جمعرات	۲۰	۱۸	۴۴	۴	۳۱	۵
جمعہ	۲۱	۱۹	۴۵	۴	۲۹	۵
ہفتہ	۲۲	۲۰	۴۶	۴	۲۸	۵
اتوار	۲۳	۲۱	۴۷	۴	۲۷	۵
پیر	۲۴	۲۲	۴۷	۴	۲۶	۵
منگل	۲۵	۲۳	۴۸	۴	۲۵	۵
بدھ	۲۶	۲۴	۴۸	۴	۲۴	۵
جمعرات	۲۷	۲۵	۴۹	۴	۲۳	۵
جمعہ	۲۸	۲۶	۵۰	۴	۲۲	۵
ہفتہ	۲۹	۲۷	۵۰	۴	۲۱	۵
اتوار	۳۰	۲۸	۵۰	۴	۲۰	۵

ایام	تاریخ عیسوی	تاریخ ہجری	صبح صادق منٹ	صبح صادق گھنٹہ	افطاری منٹ	افطاری گھنٹہ
اتوار	۲۸ اکتوبر	یکم شوال	عید الفطر			
پیر	۲۹	۲	۵۵	۴	۱۹	۵
منگل	۳۰	۳	۵۵	۴	۱۸	۵
بدھ	۳۱	۴	۵۶	۴	۱۷	۵

مرتب: غلام قادر اظہر، شیرانوالہ دروازہ لاہور

ایام	تاریخ عیسوی	تاریخ ہجری	صبح صادق منٹ	صبح صادق گھنٹہ	افطاری منٹ	افطاری گھنٹہ
جمعرات	یکم نومبر	۵	۵۷	۴	۱۷	۵
جمعہ	۲	۶	۵۸	۴	۱۶	۵
ہفتہ	۳	۷	۵۸	۴	۱۵	۵
〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃